داغ فراق
انڈین بُک ہاؤس، علی گڑھ
جمیلہ ہاشمی

داغِ فراق
جمیلہ ہاشمی
ناشر
انڈین بک ہاؤس محمد علی روڈ علی گڑھ

اشاعت	۱۹۶۶ء
تعداد	ایک ہزار
قیمت	~~ایک روپیہ پچاس پیسے~~ Revised Price Rs. 2/-
طباعت	سود لیتھو پریس۔ دہلی

داغِ فراق

جب آمر کی برات چلی ہے اور جنداں نے اُسے گھوڑے پر سوار کرایا ہے تو پتہ نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے، جیسے وہ سپنا جو کبھی کبھی اُس کی آنکھوں سے جھانکتا ہے، آنسوؤں میں مل کر پھر اُس کی پلکوں کے نیچے چمک رہا ہے۔ یہ آنسو خوشی کے آنسو سمجھ کر اُس نے پونچھ لئے اور پھر باقی عورتوں کے ساتھ مل کر گانے لگی اُس کی آواز سب سے الگ اور اونچی تھی۔ مانو وہ اپنے بیٹے کی برات کے چڑھتے سمے چیخ چیخ کر پورا زور لگا کر اور خوشی سے دیوانی ہو کر گا رہی ہو۔ ہوتے ہوتے عورتوں نے بڑی نہر کے پاس میں وداع کیا۔ اور رنگ برنگے لیروں کو سنبھالتی ہوئی ایک دوسرے سے ٹھٹھا کرتی کنارے کنارے ہو کر گھر سے اُس راہ کی طرف جانے لگیں جو دونوں طرف سے اونچے سرکنڈوں سے گھری ہے اور جب ہوا چلتی ہے تو لگتا ہے کوئی سیٹیاں بجا بجا کر اُن کے اندر چھپا راہ چلتی کنواریوں کو بلا رہا ہے کہ پیار کے دو بول اُنہیں کہے پیار کے دو بول۔

میں نے ریتے والا کے موڑ پر سر گھما کر پیچھے دیکھا تھا۔ جنداں سرکنڈوں والے موڑ کے اُس طرف نہر کے پاس کھڑی تھی۔ اُس کا ہاتھ بھرے والا سُرخ جوڑا دھوپ میں چمک رہا تھا۔ اپنی نتھ پہنے۔ ماتھے پر ٹیکا لگائے آمر کی ماں مجھے پرانے دنوں کی جنداں لگی۔ جو کسُم سر کو ایک بار پیچھے چھوڑ آئی۔ تو پلٹ کر اسے وہاں جانا ہی نصیب نہ ہوا اور نہ ہی چیتن کو اپنے گاؤں پلٹنا نصیب ہوا۔ میں کبھی کبھی کانپ جاتا ہوں۔ یہ سوچ کر کہ کیا ہو اگر جنداں کو پتہ چل جائے کہ چیتن کو کسم سر میں مارنے والا میں تھا۔ میں جسے چیتن بڑا پیارا تھا اور جس کو آج بھی اس کے بنا دنیا اجڑی ہوئی اور اداس لگتی ہے۔ مجھے یہ چاہ ہی رہے گا کہ کبھی میرے کندھے پر ہاتھ دھر کر کوئی بھادوکے کولی میرا بھی یار ہو مجھے بھی کسی کا سہارا ہو۔ ہم عورت کے بدلے کیا کچھ ہار جاتے ہیں۔ کیا کچھ دیتے ہیں؟ جنداں کو پتہ ہے اس کے بدلے میں نے کیا کچھ قربان کیا ہے۔

امر کے چہرے پر کتنا بھولا پن ہے۔ اُس کے سر پر سہرا بڑا سجتا ہے کیسری پگڑی کا ابرق دھوپ میں تاروں کی طرح چمک رہا ہے۔ گلے میں کنٹھا پہنے ہاتھوں کے کنگنوں کو ہلاتا وہ راجہ لگتا ہے۔ بہت دنوں کے بعد میں نے کسی کو اپنے برابر کا دیکھا ہے۔ برابر کا اور اپنے دل سے قریب۔ آمر میرے کندھے سے اونچا ہے نکلتے قد کا اور گبھرو جوان ہے۔ واہگرو کرے اسے نظر نہ لگ جائے۔ پتہ نہیں کس کی نظر کھا گئی۔ مجھے تو بہت پیارا تھا وہ۔ گھر میں آتا تو چوکھٹ میں سے سر جھکا کر اندر گھستا۔ جیسے اب آمر آتا ہے۔ وہ بھی امر کی طرح جب اپنی آنکھیں اٹھا کر میری آنکھوں میں دیکھتا اور مجھ سے بڑے ادب سے بات کرتا تو مجھے اُس پر بڑا پیار آتا۔

آنکھوں میں پتہ نہیں کیا رس تھا۔ اُس سے بات کر کے دل اور ہی طرح کی ٹھنڈ محسوس کرتا۔ جو امر سے بات کر کے بھی نہیں ملتی۔ امر کے پیار میں میرا دل ہے اُس کی آنکھوں میں میری اپنی آنکھوں کی سختی ہے۔ امر میں وہ بات کہاں ہے جو چینن میں تھی۔

آج وہ ہوتا تو ہم دونوں برابر چلتے۔ گھوڑے کے ساتھ گھوڑا چلاتے باتیں کرتے جاتے۔ اُس نے بھی میری طرح نئے کپڑے پہنے ہوتے اور بھتیجے کے بیاہ کی خوشی میں دیوانہ ہوتا۔ پر اگر چینن ہوتا تو امر کہاں ہوتا میں اور جنداں کہاں ہوتے۔ زندگی کی کہانی میں کتنے مشکل موڑ ہیں۔ ہے واہ گرو یہ یاد بھی کیا شے ہے؟ آج جب ہم سارے چلتے جاتے ہیں۔ اور میرے پیچھے ساری برادری کے جوان تیز رنگوں کی ابرق لگی پگڑیاں باندھے گلوں میں کنٹھے پہنے کھڑ کھڑ کرتے تہبند اور نئی بوسکی کے کرتے سنبھالتے براتی بنے امر کی سسرال جا رہے ہیں۔ مجھے چینن کا نہ ہونا بڑا کھٹکتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں، میں اکیلا ہوں۔ میری ماں نے امر کو گھوڑے پر چڑھا کر زور سے ٹھنڈی سانس بھری ہوگی۔ جو اُن کے ہونٹوں سے باہر نہیں آ سکی۔ ماں نے بڑے چاؤ سے گیت گائے ہوں گے جو پتہ نہیں کتنے برس سے اس کے دل میں بنا گائے ہی بند پڑے تھے۔ پر اُن گیتوں میں وہ رچاؤ کیوں نہیں۔ پتہ نہیں مجھے ہی ایسا لگتا ہے۔ میری ماں بڑی عورت ہے صبر سے دکھ سہنے والی، چپ رہنے والی، یہ بات نہیں کہ وہ ہنستی نہیں۔ پر چینن کے بعد سے اس کی ہنسی میں ایک دکھ سا آن ملا ہے۔ وہ اپنے پوتے کے بیاہ پر بہت خوش ہوئی ہے۔ اس نے بھی اچھے کپڑے پہنے ہیں اور سارے کام کو آپ سنبھالا ہے۔ آنگن سے اندر اور اندر سے باہر جاتی وہ مجھے ایسی آتما لگتی ہے جیسے مدتوں بعد قید سے چھٹکارا ملا ہو۔ میراثنوں کو تیز تیز گیت گانے کو کہتی۔ راگ کے بولوں میں آپ بھی کبھی کبھی

اپنی آواز ملاتی۔ وہ مجھے یوں لگی ہے جیسے اس نے صدیوں کے بعد مجھ سے صلح کی ہو۔ دل سے مجھے قبول کیا ہو۔ مجھے اپنا کہا ہو اپنا سمجھا ہو۔ پر یہ ساری باتیں میرے دماغ کی بھول ہیں۔ بھلا ماں کو کیا پتہ کہ کسم سر میں چیتن کو میں نے ہی مارا تھا۔ سچے بادشاہ یہ باتیں اس وقت کیوں یاد کر رہا ہوں۔ میرا پوت امر سنگھ گھوڑی پر چڑھا آگے آگے جاتا سارے سرداروں میں سے اچھا لگتا ہے۔ اس نے سہرا اپنے ماتھے سے پرے سرکا کر پگڑی پر کر لیا ہے۔ پگڑی تاروں کی بنی لگتی ہے۔ امر کی آنکھوں میں سپنے سے ہیں۔ وہ دوستوں کے ٹھٹھے کا جواب دیتا اُن سے آپ ٹھٹھا کرتا اور ہنستا ہے۔ تو مجھے چیتن جیسا لگتا ہے پتہ نہیں کیوں۔ کبھی کبھی تو امر کو بھولے سے پکارتے سمے چیتن ہی کہہ دیتا ہوں۔ آنگن میں بیٹھا بیٹھا ماں اور جنداں کے پاس میں زور سے امر کو چیتن کہتا ہوں تو ماں ٹھنڈی سانس بھر کر پلنگ پر بیٹھی بیٹھی کروٹ بدل لیتی ہے۔ پر کہتی کچھ نہیں اور جنداں کے ہاتھ سے برتن چھوٹ جاتا ہے۔ یا کوئی شے گر جاتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ان زبردستی پیدا کی ہوئی آوازوں میں دور کرنا چاہتی ہے۔ مجھ سے اپنے آپ سے!

سوچتا ہوں تو لگتا ہے کہ مجھ سے بڑی بھول ہوئی ہے جس کے بدلے چیتن تو نہیں ہے۔ پر یہ یادوں کا تانا بانا ہے۔ گر اس کی ڈوری ہر روز میرے گرد سخت ہوتی جاتی ہے۔ کبھی کبھی یادوں سے گھبرا کر یوں لگتا ہے جیسے میرا سانس گھٹ رہا ہو۔ ہر گھڑی مجھے کچھ نہ کچھ یاد آتا رہتا ہے۔ کسم سر میری لگا ہوں میں یوں گھومتا رہتا ہے جیسے میرے دل کی رگوں میں خون۔ اور پھر امر کو گھوڑی پر چڑھانے سمے اس پر سے ماش وارتے ہوئے جس وقت بھی جنداں نے اوپر

دیکھا ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے وہ میرے دل میں اترنا چاہتی ہے۔ سو وہاں سے کوئی کھوج لینا چاہتی ہے۔ کھوجی کی طرح اُس کی نظروں نے پل پل میری نظر کا پیچھا کیا ہے۔ کیا اُسے پتہ چل گیا ہے کہ کسم سر پر چیتن کو پیچھے سے دبوچ کر ایک ظالم کی طرح اُسے مار دینے والا میں ہی ہوں۔ میں نے ہی اس پر ایسا وار کیا تھا۔ جو مرد کبھی مرد پر نہیں کرتا۔ سچے بادشاہ میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں؟

دوپہر کی دھوپ میں سردی کی تیزی نہیں رہی۔ ہوا ہولے ہولے کھیتوں کے کناروں پر ڈول رہی ہے اور سپنوں سے بنی ہوئی دنیا نکھری نکھری لگتی ہے۔ آمر نے پیچھے مڑکر دیکھا ہے اُس کی گردن میں جو بل پڑا ہے۔ ایسا ہی بل چیتن سنگھ کی گردن میں پڑتا تھا۔ وہ بھی ہنس کر اور بات کرنے کے لئے جب پیچھے مڑتا تو ایسا ہی لگتا تھا۔ واہ گرو یہ آمر کا روپ آج بالکل چیتن پر کیوں پڑنے لگا ہے؟ آمر نے اب میری طرف دیکھا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ان جانے ہی وہ رس اتر آتا ہے۔ میری طرف دیکھ کر ابھی وہ کہے گا "بابو پتہ نہیں راہ ختم ہونے میں کتنی دیر ہوگی۔ اب تو دھوپ چبھنے لگی ہے۔ اور پھر اپنی کمر کو ہاتھ سے ملے گا۔ اور پھر کہے گا دیکھو بابو کتنا پسینہ آگیا ہے" بلے بلے" اور پھر ہاتھ اٹھا کر سر سے اونچا کر کے مجھے اٹھائے گا، چیتن بھی جب ہل چلاتے چلاتے تھکنے لگتا تو مجھے آواز دے کر کہتا بھاؤ اب تو دھوپ چبھنے لگی ہے۔ پتہ نہیں یہ کھیت کتنی دیر میں ختم ہوگا"

اُسے کام کرنے کا شوق تھا۔ اپنے چاؤ سے ہی وہ ہل چلانے لگتا۔ پہروں کام کرتا اور نہ تھکتا۔ یہ۔ اگر کہیں میں پاس ہوتا تو پھر تھکن اُسے آلیتی۔ اس کی

رگوں میں دھرتی کا پیار تھا۔ مٹی کے ڈھیلے ہاتھ میں اٹھائے ان کو اپنی انگلی سے پیستا اور گھڑی گھڑی باس لیتا رہتا۔ ماں کو اُس کی یہ عادت بہت چڑا دیتی "دے چیتن تو مٹی کو کیوں سونگھتا رہتا ہے۔ سوہنیا کام کی بات کیا کر۔ پُوت یہ تو بڑی منحوس بات ہے" اور چیتن زور زور سے ہنستا ہوا مٹی پھینک کر دونوں ہاتھ زمین پر ملنے لگتا۔ اپنے ہاتھ صاف کر کے ماں کی ناک کے سامنے کر کے کہتا۔ " دیکھ ماں اب تو میرے ہاتھوں سے بھلی سوگند آتی ہے نا۔ لے اب تو خوش ہے نا تو بول" اور ماں یونہی ذرا منہ بنا کر کہتی "دے کاکا تجھے تو ہر وقت مذاق ہی سوجھتے ہیں۔ کوئی کام کی بات کہو جال کیا جو چپ کر کے سن جائے یا مان جائے میں کہتی ہوں مٹی کی باس میں تجھے کیا ملتا ہے؟ یہ بُری شے ہے۔؟"

چیتن ہر وقت ہنستا رہتا ہے۔ گلیوں میں سے گذرتے وقت بھی وہ گیت گاتا۔ ہل چلاتے ہوئے پانی لگا کر کندھے پر پھاوڑا رکھے کھیتوں کے کنارے کنارے گھومتے۔ برسات کی بارشوں کے بعد پانی سے بھرے کھیتوں میں چاول بوتے ہوئے پتہ نہیں یہ کیسے گیت تھے جو اس کے ہونٹوں پر ہر وقت رہتے۔ کوئی گالی دیتا تو وہ ہنس دیتا۔ کوئی لڑنے لگتا تو وہ ہنس کر اُسے پرے ہٹا دیتا۔ یہ نہیں کہ وہ بہادر نہیں تھا میرے چیتن میں تو شیر کی طاقت تھی۔ ماں نے اسے دودھ ملائی کھلا کھلا کر پالا تھا۔ اُس میں تو اتنی طاقت تھی کہ اگر کسی کے مونڈھے پر زور سے ہاتھ رکھ دے تو بانہہ اتر جائے۔ مگر اُس نے ہنسی ہنسی میں بھی کبھی کسی سے جھگڑا نہیں کیا۔ لڑکے گاؤں کی ٹیاروں کے پیچھے پھرتے اُن کی باتیں کرتے پر چیتن نے کبھی گاؤں کی کسی لڑکی کا نام نہیں لیا۔ وہ میرا بڑا الحاظ کرتا تھا۔

ہم دونوں میں بڑی یاری تھی اور انت میں وہ یاری بھی کام نہ آئی۔
جب ہم دونوں گاؤں کی گلیوں میں سے گزرتے تو چاچیاں، ماسیاں کہتیں
چنگی جوڑی ہے۔ رب سلامت رکھے۔ بیچاری بنتی کے دو پوت ہیں۔ جیسے ہیروں کی
جوڑی ہو واہ گرو راضی رکھے سنتو کھ سنگھ ہوتا تو کتنا خوش ہوتا۔ چھوٹے چھوٹے
چھوڑ کر مر گیا تھا۔ آپ ہی پل گئے۔ جوان ہو گئے۔
جب بابو مرا ہے تو مجھے ابھی ڈھنگ سے ہوش بھی نہ تھی۔
ہمارا آنگن سیاپا کرنے والی عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ ماں نے پیٹ
پیٹ کر چھاتی لہو لہان کر لی تھی۔ کئی آدمی میرے سر پر ہاتھ پھیر کر کہتے تھے۔
"یہی تو بیچارے سنتو کھے کا بڑا پوت ہے۔ بڑا قہر ہوا۔ پتہ نہیں واہ گرو کو کیا منظور
ہے بھئی۔ اس کی کرنی میں کون دخل دے سکتا ہے۔ کل تک تو سنتو کھا اچھا
بھلا تھا۔ ہمارے ساتھ گرنتھی جی کے پاس بیٹھا تھا۔ کیرتن سن رہا تھا۔ گھر آ کر
بس روٹی کھانے کی دیر ہوئی۔ دو دفعہ قے کی ہے پھلکا نہیں کھایا اور مر گیا۔"
لوگ میرے سر پہ ہاتھ پھیرتے جیسے مجھے تسلی دے رہے ہوں۔ میں حیران ہو کر
ان کی باتیں سنتا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ ان ساری عورتوں اور
آدمیوں کو کیا ہو گیا ہے کہ زور زور سے رو رہے ہیں۔
چیتین کو تو اتنی بھی ہوش نہیں تھی وہ میری آنکھوں کے سامنے بڑا
ہوا ہے۔ اس نے مجھے ہی سب کچھ سمجھا ہے۔ ہولے ہولے جیسے آم کا پودا بڑھتا
ہے۔ میں نے اسے اپنے سامنے چلنا سیکھتے دیکھا ہے۔ پاؤں پاؤں چلنا وہ ماں کے
پیچھے پیچھے پھرتا رہتا۔ ذرا ذرا رونا ہوا جیسے کوئی دکھ سے پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہے

پھر بھی رونہ سکے۔ ماں اندر سے باہر آتی تو چیتن اس کے پیچھے پیچھے اپنے ذرا ذرا سے پیروں سے وہ لمبا راستہ چل کر باہر آتا۔ اور کھڑا ہو جاتا اُسے کبھی بھی کوئی پیار نہیں مل سکا۔

ماں کو باپو کے مرنے کے بعد کتنے کام ہوتے تھے۔ اکیلی دو بچوں کے سہارے اپنی بڑی ساری برادری ہیں وہ ہم دونوں کے سروں پر ہاتھ دھرے بیٹھی روتی اور سوچتی رہتی کہ پہاڑ کی طرح آنے والے دن کیسے کٹیں گے۔ کھیتوں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ دنیا کا طریقہ ہے تھوڑے دنوں تسلی بھی دیتی ہے اور سہارا بھی۔ پھر جب آدمی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ دل کو ٹھوکر مارتی ہے اور آسرے بھی کھینچ لیتی ہے آدمی اگر پکی چھت کی طرح ہو تو آسروں کے بنا کھڑا رہ جاتا ہے۔ اگر نہیں تو دھڑام سے ڈھے جاتا ہے۔ ماں میں زور نہیں تھا۔ پر وہ پھر بھی گری نہیں۔ اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو گئی۔ وہ اپنا آسرا آپ بن گئی۔ آنے والے برسوں میں اُسے اپنے ہولے ہولے جوان ہوتے پوتوں کا بڑا آسرا تھا۔ ماں نے ایک ایک دن راہ دیکھ دیکھ کر کاٹا ہے۔ دن اُس کے لئے سال بن گئے ہوں گے۔ باٹ دیکھو تو وقت نہیں کٹتا۔ گھڑیاں سوئیاں بن جاتی ہیں۔ آنکھوں میں چھبتی ہیں پر نکلتی نہیں۔ سوداگر کی کہانی ہیں جادوگرنی کی طرح آدمی کو دُکھ ہر طرف سے گھیر لیتا ہے۔

لمبی اور ٹھنڈی راتوں کو جب وقت ٹھہر جاتا ہے اور بیت نہیں چکتا ماں اور چیتن میرے ساتھ بڑے سے دالان میں اکیلے ہوتے۔ چیتن سو جاتا اور میں ماں کو دیکھتا۔ رضائی میں بیٹھی اپنے سامنے دیکھتی رہتی۔ دیے کی گھٹتی ہوئی لو میں اُس کے آنسو ایک ایک کر کے رضائی پر گرتے رہتے وہ انہیں پلو سے پونچھتی بھی نہ تھی۔ پھر اپنے

ساتھ لیٹے چیتن کے منہ سے کپڑا ہٹا کر وہ اُسے دیکھتی پھر میری طرف نظر کرتی۔ آنکھ مچولی کھیلنے والوں کی طرح میں اُسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ کر آنکھیں میچ لیتا۔ پھر وہ ٹھنڈی سانس لے کر لیٹ جاتی۔ کروٹ بدلتے ہوئے پلنگ کرڑ کرڑ بولتا۔ جیسے کہہ رہا ہو میں بھی تم دونوں کے ساتھ جاگ رہا ہوں۔ ان راتوں میں میں نے بڑے بڑے سپنے دیکھے ہیں۔ میں نے سدا یہی دیکھا ہے کہ میں اور چیتن کہیں جا رہے ہیں۔ وہ میرے پیچھے اس طرح ہولے ہولے چل رہا ہے جیسے ماں کے لئے آنگن اور دالان کے درمیان گھومتا رہتا ہے اور پتہ نہیں پھر کیا ہوتا سپنا بدل جاتا۔ میں چیتن کو دیکھتا آنکھیں بند کئے لیٹا ہے۔ ہلتا ہے نہ بولتا ہے۔ پھر ماں جنگل سے آتی بال کھولے ہوئے بین کرتی ہوئی اور میں اِدھر اُدھر اوٹ میں ہو جاتا۔ ماں چیتن کے منہ سے اپنا منہ ملتی اُس کے ہاتھوں کو دیکھتی اس کی باہوں کو اٹھاتی اسے اپنے گلے سے لگانے کی کوشش کرتی مجھے یوں لگتا جیسے وہ چیخنا چاہتی ہے۔ پر چیخ نہیں سکتی۔ سوکھی آنکھوں سے وہ اپنے اردگرد دیکھتی اور پھر چیتن پر گر پڑتی۔ پر چیتن اسی طرح آنکھیں بند کئے لیٹا رہتا۔ ہلتا اور نہ بولتا۔ پھر ماں کے منہ سے خون نکلنے لگتا۔ خون میں لوتھڑے سے ہوتے۔ سپنے میں ہی مجھے پتہ چل جاتا کہ ماں کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر باہر آ گیا ہے۔ میں اوٹ میں سے باہر نکلنا چاہتا پر کوئی شے میرے پاؤں پکڑ لیتی مجھے آگے بڑھنے سے روک لیتی جیسے ایک دنیا میرے اور ماں کے درمیان ہو۔ میں آگے آنا چاہوں بھی تو آ نہ سکوں گا۔ چیتن ماں کی طرف نہ دیکھتا پر اُس کی آنکھیں پلکوں کے نیچے سے مجھے دیکھتی ہوتیں۔ میں اس کی نظروں سے بچنا چاہتا پر بچ نہ سکتا۔ اس کی پلکوں کے نیچے آنسو نہیں ہنسی سی ہوتی جو روشنی

بن کر صرف مجھ پر پڑتی ۔ میں نے بہت بار چاہا تھا کہ ماں کو یہ سپنا بتا دوں پر پھر کوئی شے میرے اور ماں کے بیچ میں آ کر کھڑی ہو جاتی ۔ میں نے اُسے یہ سپنا کبھی نہیں بتایا۔

سردیوں کی لمبی راتیں ماں نے جاگ کر کاٹی ہیں۔ باہر ہوا زور زور سے چلتی اور ہمارے آنگن میں اُگے ہوئے پھیلے ہوئے نیم کی شاخوں میں بڑا شور ہوتا۔ ٹہنیاں زور زور سے شائیں شائیں کرکے ایک دوسرے سے ٹکراتیں اور جھولتیں۔ مینہ اتنے زور سے پڑتا اور پرنالوں کی سٹر سٹر میں چڑیلوں کی چیخیں میرے کان میں پڑتیں۔ ایسی راتوں میں میں چپ چاپ لیٹا نہ رہ سکتا۔ اپنی رضائی میں منہ دئے دئے مجھے پسینہ آنے لگتا۔ میرا سارا بدن بھیگ جاتا رضائی کو اور زور سے میں اپنے گرد لپیٹ لیتا۔ دئے کی لو کانپ کر ایک چڑیل کی طرح میری طرف آتی اور منہ کھول کر نکلنے لگتی۔ پتہ نہیں کہاں سے چھپی ہوئی روشنیاں۔ پرانی چاندنی بھولی ہوئی آوازیں اور صدیوں پہلے کے سپنے میرے گرد اکٹھے ہو جاتے۔ عجیب عجیب صورتیں میرے گرد گھومتیں کالے نقطے بڑے ہوتے جاتے پھیلتے جاتے۔ یہاں تک کہ ساری روشنی چھپ جاتی اور اس میں سے بھیانک سی ڈراؤنی شکلیں نکل کر مجھے گھورنے لگتیں۔ میں ہولے ہولے چیختا رہتا جیسے چیتن ہولے ہولے روتا تھا۔ سردیوں کی بارش کی طرح چپ چاپ رونا، پتہ نہیں کیوں چیتن کے حصے میں آیا تھا؟ ماں میری گھٹی گھٹی آواز سن کر میرے پاس آتی۔ مجھے اپنے سے لگا کر تسلی دیتی اور پھر چیتن کے ساتھ جا لیٹتی۔

آمر نے اپنا گھوڑا کھڑا کر لیا ہے۔ جانور پیاس سے ہو رہے ہیں اور ابھی گاؤں

کے باہر سے گذرتے ہوئے راستے سے ایک طرف ہو کر ہم سب گھوڑوں سے نیچے اتر آئے ہیں۔ چاروں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑلی ہیں۔ باجے والوں نے اپنے باجے کھول دئے ہیں۔ اپنے جوتوں پر پڑی گرد کو جھاڑتے براتی اپنے تہبند کے کونے پکڑ کر منہ پونچھتے دو دو چار چار کھڑے باتیں کر رہے ہیں۔ جوان لڑکے امر کو گھیرے ہوئے ہیں۔ سرسے رانیاں ابھی کافی دور ہے۔ ہمیں شام سے پہلے وہاں پہنچنا ہے۔ جب سورج چھپنے لگے گا تو ہم سب اپنے منہ ہاتھ دھو کر سرسے مانیاں پہنچیں گے۔ نہر کے پل پر جو راہ اندر کی طرف گاؤں کو اترتی ہے وہاں امر کی سسرال کی سوانیاں گاتی ہوئی ہمارا سواگت کریں گی۔ پر امر کی آنکھوں میں ...... دکھ سے آنسو نہیں آئیں گے۔ اس کے جی میں کوئی آگ نہیں ہے جو سلگتی رہے گی۔ پر کبھی کھل کر نہیں جلے گی۔ ایسی آگ جو بھسم نہ کر سکے بس دل کے کناروں کو ہولے ہولے سکیڑتی رہے۔ یادیں آگ ہوتی ہیں۔

ساری برات پھر آہستہ آہستہ باجوں کے شور، گیتوں کے دھارے اور آدمیوں کی بھیڑ میں گھری آگے ہی آگے چلے گی۔ امر کے جی میں پتہ نہیں کتنے سپنے ہوں۔ اس کے جی میں جانے کیا کیا ہو جب میں جندآں کو بیاہنے گیا تھا تو میری آتما میں ڈر تھا۔ میری جان میرے اندر کانپتی تھی۔ مجھے اپنے گرد ہونے والے شور میں کسی سہانے پن کی آہٹ نہیں آتی تھی۔ جوانوں کے سپنوں کا میں کیا جانوں؟ جندآں کو بیاہنے جاتے ہوئے گھوڑے پر چڑھتے۔ نہاتے نئے کپڑے پہنتے ہوئے مجھے لگتا تھا جیسے یہ سارا کچھ ایک تماشا ہے۔ جس کا انت یوں ہوگا کہ یہ گھوڑیاں غائب ہو جائیں گی۔ یہ آدمی ہواؤں میں گھل جائیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا۔ باجوں کی آوازیں مجھے

بین کی آوازیں لگتی تھیں۔ جو میرے آگے آگے میری ارتھی کو شمشان بھومی تک لے جا رہی تھیں۔

اور آج اتنے برسوں بعد جب میں امر کے ساتھ سہرے بانیاں لئے باہر گرد وارے کے ساتھ کھلے میدان میں گیتوں کے شور میں گھوڑی پر سے اتروں گا تو مجھے پتہ ہے امر کچھ اور ہی سوچ رہا ہوگا۔ وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں چھپی چھپی کسی ایسی ٹیار کو دیکھنا چاہے گا جیسے جند آں کی بہو بننا ہے۔ میلے کپڑوں میں دگ دگ کرتی ہوئی اپنی آنکھوں میں سپنے بھرے وہ کن گھڑیوں کا انتظار کرے گی۔ جلتی ہوئی مشعلوں کو سر سے اونچا کئے کہار ادھر ادھر گھومتے پھریں گے براتی اترے گی اور میدان میں بلنٹاں ہوں گی۔ جب میری بہو کا چاچا امر کے چاچے سے ملنا چاہے گا تو میں جینن کو کہاں سے لاؤں گا۔ میں اسے کیا کہوں گا وہ اپنے چاروں طرف دیکھے گا پر آنے والوں میں سے کوئی بھی تو آگے نہیں بڑھے گا۔ پھر برادری کے لوگوں میں سے چاچے کا لڑکا کوئی ماسی کا پوت نکلے گا اور میری بہو کے چاچے کے گلے لگ جائے گا۔ جینن کی جگہ بھلا کوئی لے سکتا ہے۔

جینن نہیں ہے اور دنیا غیر مکمل ہے میری خوشیاں ادھوری ہیں میں امر کو کیا بتاؤں۔ اس کے چاچے کو کس نے مارا ہے میں ماں سے کیا کہوں کہ کسم سر میں اس کے پیارے پوت کو ہوے سے کس نے سلایا تھا۔ کس نے پیچھے سے چھری مار کر اسے گرایا تھا۔ چاہت کے کتنے روپ ہیں۔

آج ہمارے آنے کے بعد ہمارے آنگن میں گاؤں کی لڑکیاں ناچتی رہی ہوں گی۔ اپنے نئے آنچلوں کو سنبھالتی ہوئی چھوٹی لڑکیاں نئی بہوؤں کو

بڑے شوق سے دیکھتی ہوں گی۔ بہوؤں کو اپنے بیاہ کی گھڑیاں یاد آ رہی ہونگی۔ سرخ چوڑے سے بھری باہوں کو دوپٹہ سنبھالنے کے بہانے سر سے اونچا کرکے ہوئیں اپنے چاندی جیسے رنگ کی چمک دیکھ کر آپ ہی ہنستی ہوں گی۔ آنے والی گھڑیوں کے سپنوں کو یاد کرکے۔

سپنے جو ابھی ان کے لئے زندہ ہوں گے۔

دور تک پھیلے کھیتوں کے کنارے کنارے درختوں کے نیچے اپنے ڈنگروں کو باندھے گھنے سایوں میں لیٹے سردار، جاتی برات کو دیکھ کر پاس آئیں گے۔ ہم سے باتیں کریں گے۔ پانی شربت کا پوچھیں گے۔ اور امر کو دیکھکر جی ہی جی میں کہیں اتنا سونا جوان ہے۔ کتنا گھبرو ہے کتنی پھبن ہے۔ کیسری پگڑی تو سارے ہی باندھتے ہیں پر امر کے منہ پر کیسری رنگ نکھر آیا ہے سہرے کی باریک تاروں میں درختوں سے چھن کر آتی دھوپ کی کرنیں پروتی ہوئی لگتی ہیں وہ گھوڑا ہوا بالکل چیتن لگتا ہے۔ زور سے قہقہہ لگا کر ابھی اس نے اپنے پاس کے کندھے پر ہاتھ دھرا ہے۔ اس کی یہ ادا بالکل چیتن جیسی ہے۔ آج سے پہلے مجھے چیتن کبھی اتنا یاد نہیں آیا۔ یوں نہیں کہ میں چیتن کو بھول گیا ہوں میں اسے کبھی بھلا نہیں سکا ہوں۔ پر یہ امر آج گھڑی گھڑی چیتن کیوں لگ رہا ہے۔ واہ گرو کرے امر کی زندگی لمبی ہو۔ نئی خوشیاں اسے راس آئیں میری اور جسنہ ان کی آنکھوں کا تارا ہے امر۔

بہنوں نے آج اس کی گھوڑی کی باگ پکڑ کر اس سے روپے لئے تھے۔ امر نے ہنس کر ہر ایک کو بہت بہت جھریں مٹھیا بھر بھر دیں۔ اگر ہماری بیٹی

کوئی بہن ہوتی تو؟ یہ دکھ جس کا کوئی انت نہیں۔

میری ماں نے آج مدتوں بعد چیتن کو بھلانے کی کوشش کی ہے اس نے جنداں کے ساتھ کھڑی ہو کر سارے کام میں ہاتھ بٹایا ہے۔ ماں کا سر بہت پہلے سفید بالوں سے بھر گیا ہے۔ اور اس کی شکل پر ایک دکھ بھری ٹھہری ہوئی ہنسی ہے۔ ہنسی جو کنول کے پھول کی طرح کھلتی نہیں۔ دور جلتے ہوئے کی طرح دھیمی دھیمی روشنی لگتی ہے۔ اس لئے پوتے کی خوشی میں آج اپنے پوت کو بھلانا چاہا ہے بھلا ماں کہیں بیٹے کو بھلا سکتی ہے۔؟ کیا میں اسے بھلا سکا ہوں۔ ہے داہ گرو یہ یاد کا چکر بھی کیا شئے ہے۔؟

چیتن کے مرنے کے بعد سے آج تک میں نے ماں کو کبھی زور زور سے روتے نہیں سنا۔ پر آمر نے مجھے بتایا ہے کہ جب وہ سردیوں کی راتوں میں دادی کے ساتھ سویا ہے۔ دادی ساری ساری رات بیٹھی رہتی ہے۔ ہولے ہولے بولتی رہتی ہے۔ "آ چیتن۔ آ سوہنیا۔ تو کس گھڑی باہر گیا ہے تیرے قدم کس نے تیرے پیچھے کاٹ دئے ہیں۔ تو نے کبھی مڑ کر پھیرا نہیں کیا۔ تو کیوں اس گلی کا راستہ بھول گیا ہے۔"

ماں کے سینے میں کتنی آگ ہے۔ دور کہیں باغوں کے اندھیرے میں کوئل کوک رہی ہے۔ اس کی آواز میں اتنا درد ہے کس تم سر سے چیتن کی لاش ملی تھی

اس دن کالے بادل سارا وقت گھوم گھوم کر آتے رہے تھے۔ سویرے سویرے کونجوں کی ڈار کی طرح نیم کی پچھلی طرف سے اٹھے تھے۔ ماں نے تاروں

کی چھاؤں میں ہی مجھے اور چیتن کو اٹھا دیا تھا۔ ان دنوں چیتن بڑا خوش رہتا تھا۔ اس نے بیلوں کو کھولا، ہل کندھے پر رکھا تو میں بھی اپنی رضائی میں لیٹا ہوا تھا۔ دروازہ کھول کر ماں نے مجھے بھی آواز دی مگر میں لیٹا رہا۔ میرا جی ہلنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ چیتن نے آنگن میں کھڑے ہو کر پھر زور سے مجھے پکارا۔ گلی میں سے ہل کے لوہے کی کھڑکھڑ گلی کے ساتھ ٹکرانے پر میرے کانوں میں آرہی تھی۔ بیلوں کے گلوں میں پڑے گھنگروں کی تیز چھن چھن میرا جی اداس کر رہی تھی۔ میرے ہاتھ دکھ رہے تھے۔ چیتن نے پھر زور سے کہا بھادو میں چلتا ہوں تو پیچھے سے آجانا۔" اچھا کہہ کر اور کروٹ بدل کر میں پھر لیٹ گیا۔ وہ بار بار آنکھیں بند کرتا لیکن نہ جانے کونسی طاقت بار بار اس کی آنکھیں کھول دیتی۔ وہ اسی کشمکش میں تھا کہ

ماں نے دئے کی لاٹ کو اونچا کر کے کہا " بھادو سویرے کا تارا نکلنے والا ہو گا۔ بادلوں کی وجہ سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ تو اٹھ جاتا۔ چیتن اکیلے سے کام ختم ہو گا بھلا۔ میرا جی چاہتا ہے آج تو ذرا اپنے سسرال جا کر خیر سکھ کی خبر لانا۔ میرا دل اور ہی طرح ہو رہا ہے۔ رات میں نے سپنا دیکھا ہے۔ جنداں کے سر میں سے خون نکل رہا ہے۔ واہ گرو کرے اس کے ویر اچھے ہوں۔"

میں نے دل ہی دل میں کہا بھلا سپنوں کا کیا ہے۔ میں نے بچپن سے لے کر بہت دنوں تک چیتن کو جنگل میں لیٹتے اور مجھے بین کرتے دیکھا ہے۔ سپنوں کا کیا اعتبار ہے ماں۔ مگر میں نے ماں سے ایک بات نہیں کہی۔ اسے کوئی جواب دئے بنا میں رضائی کو ایک طرف پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا اور کھیس کو اپنے

گرد زور سے لپیٹ کر دروازے میں سے نکل گیا۔ ٹھنڈی ہوا ہڈیوں میں گھسی جاتی تھی۔ اور کھیس کے کونے میرے کندھوں سے پھڑپھڑ کرتے نیچے آ رہے تھے۔ بار بار سنبھالنے کی کوشش کرتا۔ میں دائیں بائیں گھومتا تھا۔ گلیوں میں آنے جانے والوں کے قدموں کی چاپ میرے آگے پیچھے تھی۔ گھروں میں سے دودھ متھنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور چاٹیوں کی گھم گھم بڑی سہانی لگتی تھی۔ کہیں کہیں عورتیں چادروں کی بکلیں مارے میرے پاس جلد جلد چلتی گلیوں سے کھیتوں کی طرف مڑ رہی تھیں۔ اور کالے بادلوں کی سیاہی میں ان کی چادروں کی سفیدی اور بھی دکھائی دیتی۔ کچی دیواروں پر بیٹھے مرغوں نے زور سے زور سے بولنا شروع کر دیا۔ دنیا جاگ رہی تھی۔

کھوہ پر پہنچا ہوں تو چینتن کام کر رہا تھا۔ ہولے ہولے گاتا ہوا۔ پتہ نہیں کیا گیت تھا۔ پر مجھے اُس کے گیت کی لے ذرا بھی اچھی نہ لگی۔ میرا جی چاہتا تھا وہ اپنی آواز روک لے چپ کر جائے۔ یہ بیلوں کے گلے میں پڑی گھنٹیوں کی ٹن ٹن بھی رک جائے۔ ایسی خاموشی ہو جس میں کچھ بھی نہ ہو۔ مگر ذرا دیر بعد اپنے دل پر آن کر لگتی جان پڑتی چینتن کے گیت کی لے ہولے ہولے اونچی ہوتی گئی۔ ہوا کے ساتھ ساتھ اترتی وہ کھیت کھیت گھومنے لگی۔ میرا جی چاہتا تھا زور سے چیخوں اور اس سے کہوں تم رک جاؤ۔ تم دم لے لو۔ اس گیت کو بند کر دو۔ پر میں نے کچھ نہیں کہا۔ مجھے مڑ کے کر کھیت میں آتے دیکھا۔ تو اس نے زور سے ہوُ۔ ہوُ کیا۔ اس کے ننگے بدن پر پسینہ پتہ نہیں کس روشنی میں چمک رہا تھا۔ اور وہ ہندوؤں کے بھگوان کی مورتی کی طرح بڑا تگڑا لگتا تھا۔ اور بہت ہی مضبوط۔

جب ماں روٹی لے کر آئی ہے اور اس نے لسی کا کٹورا بھر کر مجھے پکڑایا ہے تو کہنے لگی۔ بھاوڈ تو آج ذرا جلدی گھر آجانا۔ میرا جی گھٹ رہا ہے۔ ادھر ضرور جا۔ میرا دل اڑ رہا ہے۔ پتہ نہیں کیا بات ہے؟" چیتن نے کہا کیوں ماں بھاوڈ کو کدھر بھیجنا ہے؟

ماں نے کہا "کا کا رات میں نے بڑا ہی برا سپنا دیکھا ہے۔ میں نے جنداں کے سر سے خون بہتے دیکھا ہے۔ واہ گرو خیر کرے۔ اس لئے میں کہتی ہوں خیر سکھ کی خبر جا کر لے آنی چاہیئے۔ اور پھر کونسا دور فاصلہ ہے۔ چار کوس تو جوان کے سامنے کوئی شے نہیں۔

میں نے ماں کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

چیتن کہنے لگا۔ ہاں اگر بھاوڈ کا جی جانے کو نہیں چاہتا تو میں چلا جاتا ہوں کیوں بھاوڈ؟ اور پھر تھوڑی دیر رک کر بولا۔ بھاوڈ کا دل آج اچھا نہیں ماں" کیوں بھاوڈ"؟

میں پھر بھی کچھ نہ بولا۔

ماں کہنے لگی اچھا تو یہی تھا کہ تو جاتا پر اگر تیرا جی جانے کو نہ چاہے تو پھر مجبوری ہے۔ چیتن ہی چلا جائے گا۔ آج بادل بہت ہیں۔ بارش ضرور ہوگی۔ آج کے دن مینہ پڑنے لگا تو پھر سات دن کی جھڑی لگے گی۔ میں تو کہتی ہوں چیتن تو ابھی چلا جا۔ دوپہر سے پہلے مڑ آنا۔ چیتن نے آنکھ کے کونے سے میری طرف دیکھا پھر ماں کی طرف اور پھر نظر جھکا لی۔ پتہ نہیں اس ایک جھکی نظر میں کیا تھا۔ دکھ کی طرح خوشی کا روپ بھی نہیں چھپ سکتا۔ ایک دبی دبی مسکان تھی۔

جس کو وہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پرا ٹھے کے بڑے بڑے ٹکڑے کر کے منہ میں ڈالتے اور لسی کا کٹورا ایک ہی گھونٹ میں ختم کرتا وہ مجھے زندگی میں پہلی بار اپنا دشمن سا لگا۔ میں نے کٹورا زمین پر رکھ دیا۔ اور ان دونوں کی طرف دیکھے بغیر اٹھ کر اپنے بیلوں کی طرف چلا گیا۔ جو کھیت میں کھڑے دُموں کو آگے پیچھے مارتے منہ ہلاتے سر کو گھڑی گھڑی جھٹک رہے تھے۔ میں ماں اور چیتن سے سویرے سے ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔ ان سے ایک بات بھی نہیں کی تھی۔ چیتن کی مسکان میرے جی میں کانٹے کی طرح چبھ گئی۔ میں اس کانٹے کو کبھی نکال ہی نہیں سکا۔ وہ کانٹا الگ الگ سا میرے جی میں آج بھی کھٹکتا ہے۔ کئی گھڑیاں ایسی کیوں ہوتی ہیں۔ دلوں کے درمیان دیواریں بن کھڑی ہونے والی۔

میری چپ ضرور چیتن کا جی اداس کر گئی ہوگی۔ بیلوں کو باندھ کر اور ہل کو ایک طرف کھڑا کر کے جب اُس نے آؤ میں سے منہ دھو کر اپنا کرتا جھٹک کر پہنا ہے تو میں بھی پاس ہی بیٹھا پانی پی رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر پیالہ سا بنا لئے میں نے اپنا منہ اُس پر جھکا لیا پھر ایک دم نظر اٹھا کر چیتن کو بھی دیکھا۔ وہ بھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک کمزور سی ہنسی اس کے ہونٹوں کو چھو کر غائب ہو گئی تتلی کی اُڑان کی طرح دوسری ہی گھڑی اُس ہنسی نے اپنے کو چھپا لیا۔ چیتن نے اپنے جوتے پر جوتا مار کر گرد جھاڑی، کھیس کو کندھے پر دوہرا کر کے رکھ لیا۔ وہ بھی کچھ نہیں بولا۔ جب میں اٹھ کر واپس آ گیا تو چیتن رُک کر کچھ سوچتا رہا۔ جیسے مجھے آواز دینا چاہتا ہو۔ میں نے بیلوں کا رُخ دوسری طرف پھیر لیا کہ اُسے جاتے نہ دیکھوں۔ اس نے کھیت کے کنارے ٹھہر کر کہا "بھاؤ میں گھر جا رہا ہوں پھر

وہاں سے کانیاں جاؤں گا۔"

بنا کسی وجہ کے ہی مجھے اُس کا کانیاں جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کانیاں میں جنداں تھی چینتن دھرتی کے سپنے لینے والا۔ زمین پر جان دینے والا تھا۔ اس کے لئے زمین کسی مٹیار سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اور لڑکیوں سے زیادہ چنچلی۔ ماں کو اُس کی اس بات سے بڑا دکھ ہوتا تھا۔ وہ مجھ سے کئی بار صلاح کر چکی تھی کہ اُس کی منگنی کہیں کر دے اُس کی بات کہیں پکی ہو جائے۔

گاؤں کی عورتیں کہتیں۔ بنتی کے دونوں پوت اچھے ہیں۔ پر چھوٹا تو راجا ہے۔ راجا کتنا سوہنا ہے۔ اس کے لئے تو کسی پری کو لانا۔ رات کو ہم دونوں کھیتوں سے آتے۔ سانی کر کے چارہ کُتر کر بھینسوں، گائیوں کو ڈالتے اور کبھی میں کبھی چینتن ماں کو کھوہ پر سے پانی لا کر دیتے روٹی کھانے بیٹھتے تو کوئی ماسی ماچی ضرور آجاتی۔

بنتی بہن سن۔ میری بات دونوں کو ایک ہی گھر میں بیاہنا۔ دو بہنیں ہوں۔ دو بھائی ہیں۔ بڑی اچھی نبھے گی۔ ماں ٹھنڈی سانس بھر کر کہتی۔ اچھا بہن دیکھا جائے گا۔ رب سچا آپ ہی کوئی سبب ملائے گا۔ آپ ہی آپ سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے۔ جب یہ باپ کے بعد اکیلے رہ گئے تھے۔ تو برادری کے کسی آدمی نے ذرا سا آسرا نہ دیا۔ کبھی بانہہ نہیں پکڑی۔ الٹا مقدمہ بازیاں کر کر کے حیران پریشان کر دیا تھا۔ شکر شکر کر کے چار دن مجھے آرام دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ میں ان کو بیاہنے کی جلدی کیا کروں بہن۔ کوئی چار دن سکھ کا سانس تو لے لوں۔

اور آئی ہوئی عورت کہتی، بلے بلے بھئی تو نے جس طرح جوانی گذاری ہے رب کرے کُل دنیا کی بہو بیٹیاں ہی مصیبت میں ایسی ہمت والی ہوں۔ چھوٹے بچّوں کا

ساتھ اور پورے گھر میں کوئی دلاسا دینے والا بھی نہیں تھا۔ اتنی کٹھنائی میں بیڑا واہ گرو نے پار کیا ہے۔

ان دنوں گھر میں جنداں کا باپ ہماری برادری میں کہیں دور نزدیک سے چاچا لگتا تھا۔ یوں بھی میرے باپو کا پرانا یار تھا۔ وہ اپنے گاؤں سے آدمی بھیج کر ماں کی خیر سکھ کی خبر منگاتا رہتا۔ کبھی سال چھ ماہ بعد جنداں کی ماں بھی آتی۔ سونو غاں سے لدی ہوئی۔ جندیں نچھاور کرنے والی۔ وہ دونوں میری ماں اور جنداں کی ماں باتیں کرتی رہتیں۔ ان دنوں میری ماں کے چہرے پر رونق آ جاتی۔ وہ چرخہ کاتتے کاتتے زور سے ہنستی، جیسے گھگیوں کا جوڑا ہو۔ جنداں کی ماں کو میں دیکھتا۔ گہرا رنگ کر دوپٹہ لیتی۔ اور بالوں کو سیدھی مانگ نکال کر بناتی۔ پھر میری ماں بھی اُس کے پاس ہوتی تیز تیز کام کرنے والی پر بجھی بجھی سی ہنس کر ایسا سمجھتی جیسے کسی کام کو بھولے سے کر بیٹھی ہو۔ گاؤں میں براتیں آئیں اور وداع ہوتیں۔ لڑکیاں بالیاں پاس والے آنگنوں میں دھم دھم ڈھولک بجا کر گیت گاتیں۔ پر ماں کے لئے جیسے دکھ اور کٹھنائی کے دن ابھی ختم ہی نہیں ہوئے تھے۔ رتیں بدلتیں تو میں اور لڑکوں کی ماؤں کو دیکھتا ہاتھوں، پاؤں میں مہندی رچائے ہنستی بولتی اور اکٹھی ہو کر گیت گاتیں پر ماں نیم کے نیچے اپنے چرخے پر باریک سوت کے لمبے لمبے تار کھینچتی اور انہیں تکلے پر ڈالتی۔ پتہ نہیں کیا سوچتی رہتی۔ اس نے سارے کپڑے کہیں سینت کر رکھ لیئے تھے۔ اس نے پاؤں میں کبھی جوتا بھی نہ پہنا تھا۔ سردیاں بیتیں پھر گرمیاں گزرتیں ساون آتا گھٹائیں آتیں۔ ہمارے آنگن میں کبھی کوئی آدمی جو کھیت میں سے اندر نہ گھستا۔ حویلی کے دروازہ کے باہر سے گذرتے لوگ کہتے بھئی جوانی کسی نے

گذاری ہے تو بنتی نے دوسرے گھر کو بھی کانوں کان پتہ نہ چلا کہ اس گھر میں ایک جوان بیوہ ہے جب پانی بہت دنوں پڑتا رہتا اور پاس کے گھروں میں سے شور کے ساتھ ساتھ گلگلے پکنے کی مہک بھی آتی تو ماں مجھے اور چیتن دونوں کو چولھے کے پاس بٹھا کر آپ بھی گلگلے پکاتی۔ تب چھوٹے ہوتے کے باوجود میرا دل اداس ہو جاتا۔ چیتن ماں کے گھٹنے کے ساتھ لگ کر بیٹھا رہتا ہولے ہولے کھاتا رہتا اور کبھی میری طرف منھ کر کے کہتا کیوں بھا دکتنا سواد آتا ہے۔ ماں نے کتنے اچھے گلگلے پکائے ہیں۔ بہت مزے کے ہیں یہ" ماں دھوئیں اور گرمی سے تنگ آئی ہوئی سیلی لکڑیوں اور گیلے اپلوں میں پھونکیں مارتی اور جواب نہ دیتی۔ مجھے بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ باپو اور یاد آنے لگا تھا۔ یہ اکیلاپن میری زندگی پر سایہ بن کر پھیلا ہوا ہے۔ پہلے سالوں میں مجھے باپو کی کمی رہی اور اب چیتن نہیں ہے۔ میرا نصیب ایسا کھوٹن کیوں ہے۔

امر سنگھ نے باقی براتیوں کے ساتھ آرام کر لیا۔ جوانوں نے بھنگڑہ ڈال کر اپنے دلوں کے سارے سپنے گیتوں میں گا لیے ہیں۔ باجے والوں نے اپنی توتیاں منہ سے لگا لی ہیں۔ اور اب ہم پھر سے گھوڑوں پر چڑھ کر سرسے دانیاں جانے والے راہ کی طرف چل پڑے ہیں۔ دھوپ ڈھل گئی ہے۔ سردیوں کی ہوا میں شام سے پہلے ہی تیزی آجاتی ہے۔ درختوں کے سایوں کو دیکھ کر ٹھنڈ اور بھی زیادہ لگتی ہے۔ ٹھہرے ہوئے آکاش تلے دانہ چگ کر اپنی تسلی کرنے کے بعد کبوتروں اور کوؤں کی ٹولیاں چکر لگا رہی ہیں۔ سفید بگلے اوپر سے قطاریں بنائے گزر رہے ہیں۔ نہر کے کنارے کھیتوں

سے باس اٹھ اٹھ کر پھیل رہی ہے۔ براتیوں کو دیکھنے کئی راہی اپنا اصلی راہ چھوڑ کر یہاں آ گئے ہیں۔ ان کے سروں پر گٹھڑیاں ہیں۔ اور ان کی آنکھوں میں بڑا پیار ہے۔ پیار تو انسان کا سب سے انوٹ ناتا ہے۔ پیار تو آدمی کو آدمی کے قریب کرتا ہے۔ جوان لڑکیاں اور بہوئیں پگڈنڈیاں چھوڑ کر سسرال سے راتیا جانے والی برات کو دیکھنے کھیتوں کے کناروں پر تیزی سے چلتی اپنے پلوؤں کو سمیٹے گنے کے کھیت کے اوٹ میں آکر رک گئی ہیں۔ ان کے دلوں میں وہی گیت ہوں گے۔ خوشی کے سارے گیتوں کی زبان ایک ہے۔ سارے راگوں کے بول اور رے میں وہی مٹھاس ہوتی ہے۔ باجے والوں نے لوگوں کو اپنے گرد دیکھ کر زور زور سے باجا بجانا شروع کر دیا ہے۔ امر اپنے گھوڑے پر اکڑ کر بیٹھا ہوا ہے۔ اور براتی بڑے زور زور سے ہنس رہے ہیں۔ گھوڑیوں کے بدن آرام کرنے کے بعد بڑے چمکنے ہوئے اور اچھے لگتے ہیں۔ چمکنے اور جوان جسموں والے گھوڑے دمیں ہلاتے بڑے غرور سے سر اٹھائے آگے پیچھے جا رہے ہیں۔

کرتار سنگھ نے کہا ہے "یار آج چیتن بھی ہوتا تو کیا اچھا ہوتا برات سج جاتی۔ بھئی اس کی طرح کا جوان تو اس گاؤں میں کیا آس پاس سارے علاقے میں کہیں نہیں۔ بھئی امر سنگھ برا نہ ماننا۔ تو بھی اپنے چاچے کی ریس نہیں کر سکتا۔ ہے ہے بھئی کیا تکڑا جوان تھا۔ اور شریف اتنا کہ کبھی کسی سے اونچا بھی نہیں بولا۔ میرا تو یار تھا۔ ہم دونوں میلوں میں جاتے تو ساتھ ساتھ رہتے۔ ناچنے میں اس کا مقابلہ کون کر سکتا تھا۔ پر شراب پی کر بھی اس نے کبھی بکواس نہیں کی گاؤں کی بہو بیٹیوں کو بری نظر سے نہیں تاکا۔ اس کی آنکھ کتنی بھری ہوئی

تھی۔ اور نیت اتنی صاف تھی۔ اگر آج زندہ ہوتا تو کتنا خوش ہوتا۔ اپنے بھتیجے کے اوپر سے پتہ نہیں کیا کچھ وار دیتا۔ امر سنگھ کی ساری شباہت چیتن پر ہے۔ پر اس کا زور اس میں نہیں۔"

امر سنگھ نے مڑ کر کہا" کرتار سنگھ چاچا باپو تو مجھے کبھی چاچے چیتن کی ایک بات میں سناتا۔ ماں نے تو اسے دیکھا نہیں تھا۔ اور دادی اسے یاد کرے تو اس کا دل الٹنے لگتا ہے۔ میں گھر میں کسی سے کچھ نہیں پوچھتا پر مجھے یقین ہے۔ اگر چاچا زندہ ہوتا تو آج میری برات کی رونق بہت ہوتی۔

"وہ تو خود بخود رونق تھا بھاؤ" کرتار سنگھ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا ہے۔ وہ تو خود رونق تھا۔ جس جگہ بیٹھ جاتا وہ جگہ سج جاتی۔ جس کام کو ہاتھ لگا دیتا وہ کام سنور جاتا۔ جس میلے میں وہ نہ ہو میلہ آدھا رہتا تھا۔ وہ تو گاؤں کا شنگار تھا جوان۔ ہمارے گاؤں کا تو روپ ہی وہ نہیں رہا۔ ماسی نبتی کو وہ پوت راس نہ آیا۔ جیتا ہوتا تو گھر میں سونے کی نہریں بہتیں۔ تہی قسمت والا تھا۔ جس کھیت میں وہ ہل چلا دیتا اس میں فصل سب سے زیادہ ہوتی۔ ہم سارے اس سے اپنے ہل کو ہاتھ لگاتے تھے۔ ہنس کر کہتا" یار تم سارے ایسے ہی پلکھنڈ کرتے ہو۔ بھلا میرے ہاتھ لگا دینے سے کیا ہوتا ہے"۔ اور ہنستے ہنستے ہمارے کھیت میں ہل چلانے لگتا۔ اسے دھرتی سے پیار تھا۔ زمین اس کے پاؤں کے نیچے زندہ ہو کر دھڑکنے لگتی تھی۔ پر اسی زمین نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ کشم بسم سر میں کسی دشمن نے اسے پیچھے سے وار کر کے مار دیا۔ آمنے سامنے کی لڑائی میں تو وہ ہارنے والا نہیں تھا اور کرتار سنگھ نے میرے

کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

کرتار سنگھ کے ہاتھ کے نیچے میرا دل کانپنے لگا۔ جیسے کوئی اچانک کسی چور کو پکڑ لے۔

اس کا ہاتھ آگ کا بنا ہوا تھا۔ کہ میرا سارا جسم جلنے لگا۔ میں نے گھوڑے کو پرے ہٹا دیا۔ کرتار سنگھ کا ہاتھ اس کے گھوڑے پر آن گرا۔ اس نے اپنی چھوی پر اسے ٹکا لیا۔ دوسرے ہاتھ میں باگیں پکڑے وہ یوں لگتا تھا جیسے سپنے میں چیتن کو دیکھ رہا ہو۔ سارے براتی چپ چاپ گھوڑے بڑھا رہے تھے۔ پیچھے چلنے والے بوڑھے پتہ نہیں زمینوں اور فصلوں کی باتیں کر رہے تھے۔ نہر کا پانی ڈھلتے دن کی روشنی میں چاندی کی طرح چمکتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی لہریں ایک کے پیچھے ایک آگے ہی آگے بڑھتی اور بھاگنے لگتی تھیں۔ دونوں طرف لمبے درختوں کے سائے پیلی پڑتی دھوپ میں گہرے ہو رہے تھے۔ ایک طرف کے درختوں کا سایہ پانی پر پڑ رہا تھا۔ اور دور تک دکھائی دیتے ہوئے وہ کسی مندر کے ستون لگتے تھے کہ ان کے آخر میں ایک دروازہ کھلے گا۔ اور بھگوان درشن دے گا۔ سر سے راتیاں تک پتہ نہیں ابھی کتنا فاصلہ باقی ہے۔

کرتار سنگھ نے پھر کہا "یار کتنے اندھیر کی بات ہے۔ چیتن کو مارنے والے کا کہیں پتہ ہی نہیں چل سکا۔ میں نے اپنی طرف سے بھی کھوج لگانے کی بڑی کوشش کی ہے۔ میرا دل بہت دکھتا ہے یار چیتن کو مارنے والے کی کھوج بڑی ضروری تھی۔ کیوں یار تم نے کبھی اس کے بعد سے پھر یہ کام شروع نہیں کیا۔ قاتل تو بیس بیس سال کے بعد بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔ تمہارا ایک ہی

بھائی تھا۔ گوردوارے میں جاکر اردااس کرو رب سے فتح مانگو اور پھر سے لھو جو۔ یار بھائی کوئی روز روز پیدا ہوتے ہیں اور پھر جیتن جیسا یار آدمی۔ اوئے سب بڑی بات تو یہ ہے کہ تیرا کتنا لحاظ کرتا تھا۔ تجھ سے کتنا دبتا تھا۔ اس نے کبھی تیرے سامنے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی کبھی زور سے ہنسا نہیں۔ تیری بات ماننے والا تجھ سے خوف کھانے والا۔ سوہنیا ایسے ویر روز روز ہر کسی کو نہیں دیتا اور روز روز نہیں دیتا۔"

میں نے زور سے کہا کرتار سنگھ یار بس کرو بس۔

کرتار سنگھ نے بڑی حیرت سے میری طرف دیکھ کر کہا "کیوں یار میں نے کوئی غلط بات کہی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں جیتن جیسا دوسرا اس سارے دیس میں نہیں۔ اوئے ہم روز بھائیوں کو دیکھتے ہیں۔ ماں جائے ایک دوسرے کے ساتھ ذرا ذرا سی باتوں پر جھگڑ پڑتے ہیں۔ خفا ہو جاتے ہیں، اور سالوں نہیں بولتے دور کیوں جاؤ میرا اپنا گرمکھ سنگھ ہے۔ اس کی بیوی اور میری بھابی بچوں پر خفا ہو گئیں۔ ماں کا لحاظ کیے بنا اس نے تیرے بھتیجے بھتیجوں کو اتنا مارا اور پھر آپ ہی مجھ سے منہ پھلائے پھرتا ہے۔ بھلا تو ہی بتا بھا د کبھی تو سوچ بھی سکتا ہے کہ تیرے اور جیتن کے درمیان ایسی بات ہو سکتی تھی جیتن بہت بھلا آدمی تھا۔ یاروں کا یار اور ہر ایک کی پکھ رکھنے والا۔"

میں نے کہا "کرتار سنگھ کون جانتا ہے کہ اگر جیتن زندہ ہوتا تو ہم دونوں بھی اسی طرح ذرا ذرا سی بات پر نہ لڑتے جھگڑتے۔ اگر وہ یہاں ہوتا تو تیری طرح اس کی بیوی میری بیوی سے جھگڑا کرتی ہم بچوں پر ایک دوسرے کے سر

لاٹھیوں سے پھاڑ دیتے۔

کرتار سنگھ نے کہا۔ "یار لڑنے کی رات جا رہے ہو پر بچھڑنے کی رات نہ ہو۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

کرتار سنگھ پھر کہنے لگا "کشم سر کے بعد سے وہ پلٹ کر نہیں آیا۔ جانے سے پہلے وہ مجھے ملا تھا۔ میں نے تجھے وہ ساری باتیں کبھی نہیں بتائیں۔ میں نے جس دن سویرے سنا کہ کشم سر میں کسی نے اس کو مار ہی دیا ہے تو میں نے دل میں یہ قول کر لیا کہ چیتن یار تھا اس کا بھید کسی سے نہیں کہوں گا۔ کبھی بھی نہیں۔ پر آج آمر کو دیکھ دیکھ کر مجھے وہ یاد آ رہا ہے۔ اور میرا جی چاہتا ہے کسی کو وہ ساری باتیں سناؤں۔ شاید ان باتوں سے کوئی کھوج ملے۔ خون تو یار بیس بیس سال کے بعد بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔"

میں نے مڑ کر امر کی طرف دیکھا اور مجھے لگا جیسے گھوڑے پر آمر نہیں چیتن بیٹھا ہو۔ چیتن بھی گھوڑے پر ایسے ہی اکڑ کر بیٹھتا تھا۔ باگیں پکڑ کر بالکل سیدھا وہ میلوں گھوڑی کو دوڑاتا جاتا اور اس کی کمر یوں سیدھی رہتی۔ پاس کے گاؤں میں میلے ہوتے اور دوڑوں کے مقابلے ہوتے تو چیتن ہی جیتتا۔ پھر یار لوگ اور برادری والے اسے پھولوں کے ہار پہنا کر اپنے گاؤں لاتے۔ یاروں میں اس کا گلہ دکھائی نہ دیتا۔ کشتیاں ہوں بھنگڑہ ڈالنا ہو ہر جگہ جیت چیتن کی ہی ہوتی۔ اس کے نصیب کا ستارہ بڑا اونچا تھا۔ کسی نے اسے کبھی دھوکا نہیں دیا تھا۔ اس نے کبھی کوئی سودا کسارے کا نہیں کیا۔ اسے کبھی ہار نہیں ہوئی۔ اور آخر میں بھی اسے کسارہ نہیں ہوا۔ مر کر بھی جیت اس کی ہی ہوئی

ہے۔صرف ماں مجھے زیادہ پیار کرتی تھی۔میں بڑا ننھا تھا۔میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ماں نے اسے سینہ سے لگایا ہو۔ اسے گلے لگا کر پیار کیا ہو۔ وہ اسے پیار کرتے جیسے ڈرتی تھی پر یہ بھی تو سوچنے کی بات ہے۔ اتنے سال گذر گئے ہیں پر ماں چیتن کو بھلا نہیں سکتی۔ ماں ہر گھڑی گلی کی طرف دیکھتی رہتی ہے وہ راہ دیکھتی ہے کہ شیم سر جیا زمین پر الٹا لیٹا۔ اور خون میں ڈوبی آنکھوں کو پوچھ کر کبھی کو چیتن گھر پلٹے گا۔ یہ یاد بھی کیا شے ہے اور سب سے زیادہ دھوکہ دینے والی آس ہوتی ہے۔جھوٹی چمک سے جگ جگ کرنے والی۔آج سوچتا ہوں تو لگتا ہے۔چیتن کو سب نے چاہا ہے ماں نے بھی اور لوگوں نے بھی میں جنداں کا نام نہیں لوں گا۔ کرتار سنگھ اس کی باتیں کرتا ہے۔ تو اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ پتہ نہیں اس کے جی میں کیسا بھید ہے۔

سرسے رانیاں کھیتوں سے پرے دور شام کی سرخی میں ہمیں دکھائی دے رہا تھا۔ ہم سب ایک کھو پر اترے۔ کہار نے آمر کو نہلا کر نیا جوڑا پہنایا۔ میں نے بھی ہاتھ منہ دھو کر راہ کی گرد جھاڑی۔ میرا تہبند تو نیا تھا مگر کرتار سنگھ کے زور دینے پر میں نے دوسرا کرتا پہن لیا۔ پگڑیوں کو جھاڑ کر۔ اپنی داڑھیوں کو کنگھی سے سنوار کر جب سارے براتی ہولے ہولے بجتے باجے کے ساتھ گاؤں میں گھسنے لگے ہیں تو مشعلیں جلائے کہار ساتھ ساتھ تھے۔ امر کے سسرال کی عورتیں رنگ برنگے کپڑے پہنے گاتی ہوئی ہمارے آگے آگے جا رہی تھیں۔ امر نے سہرا منہ پر کر لیا تھا۔

اس کے ہاتھ میں لال رومال تھا۔ جس سے وہ کبھی کبھی یونہی منہ پوچھ لیتا۔ اس کے مہندی سے رنگے ہاتھوں میں لال لال تاگے کا کنگن تھا جو سونے کے کنگنوں کے آگے بڑا بھلا لگتا تھا۔ سارے براتی اتنا دور سفر کر کے آنے پر بھی تھکے ہوئے نہیں لگتے تھے۔ نہر سے اتر کر ہم جب تنگ راہ پر آئے تو سوانیوں کی گیتوں کی لے تیز ہو گئی۔ سارا گاؤں ہی راہ کے دونوں طرف کھڑا تھا۔ ان کے سرکنڈوں میں سے ذرا ذرا سے گھونگھٹ ماتھے تک سرکائے بوڑھی عورتیں بھی تھیں اور جوان بہوئیں بھی، لڑکیاں ایک دوسری کو دھکے دے رہی تھیں۔ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو کمر پر لٹکائے چھوٹی عمر کی بیبیاں اچک اچک کر امر کی طرف اشارے کرتی تھیں۔ اور کہتیں۔ "نی کڑیو لاڑا بہت ہی سوہنا ہے"۔ بچے بھیڑ میں کھو جانے کے ڈر سے رو رو کر اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ اور منہ کھول کھول کر چیخ رہے تھے۔ باجے کے سر اور اونچے ہوتے جاتے تھے۔ اور عورتوں کے گیتوں کی لے بھی ہوتی جاتی تھی۔ جیسے لال رنگ کا ایک دھارا سا برات کے آگے آگے بہنے لگے۔ گھونگھٹ تھے اور آنکھیں تھیں۔ چمکتے ہوئے چہرے تھے۔ اور کھڑکھڑ کرتی مٹیاروں کا ایک دریا تھا جو ہمیں بہا کر اپنے ساتھ پتہ نہیں کہاں لئے جاتا تھا۔ میرے آس پاس کتنی خوشی تھی خوشی کا دریا، آ کر مجھ سے ٹکراتا اور لوٹ جاتا۔ میرا دل اور ساری بھیڑ میں گھبرا رہا تھا۔ میری آنکھیں چیتن کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ کیا ہوتا اگر ہمارے اور کانیاں کے بیچ میں کشم سرا نہ ہوتا کیا ہوتا۔ اگر ماں نے کبھی میرا بیاہ جنداں سے کرنے کا

نہ سوچا ہوتا کیا ہوتا۔ کرتار سنگھ میرے ساتھ ساتھ تھا۔ دونوں کے جی میں چیتن کا نام تھا۔ دونوں کے جی میں اس کی یاد تھی۔ پر اس کے جی میں کوئی دکھ نہ تھا۔ یادیں کبھی کبھی دل کو زندہ رکھنے اور تسلی دینے کے لئے ہوتی ہیں۔ یادیں جی کی اداسی کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہیں دل زندہ لگنے لگتا ہے۔ جیسے اس کا سارا محل بہہ گیا۔ سیلاب کے ساتھ ساتھ کہیں دوسرے کنارے سے جا نکلا ہو۔

بڑے میدان میں پہنچ کر ہم سب گھوڑوں سے اتر پڑے۔ کہاروں نے بھاری چیزیں ہمارے ہاتھوں سے لے لیں اور صاف ستھری دریاں بچھا دیں سب لوگ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ آمر کو دیکھنے کے لئے حویلیوں کی چھتوں پر سوانیاں اور مٹیاریں نئی جوان ہوتی لڑکیوں سے الگ ہو کر کھڑی تھیں۔ چاروں طرف لوگ ہی لوگ تھے۔

ملنیاں ہونے لگیں تو میں نے کہا کرتار سنگھ یار کیا ہی اچھا ہو جو ملنیاں نہ ہوں۔

کرتار سنگھ نے میری طرف بڑے قہر سے گھورا۔ پھر جیسے اسے سمجھ آ گئی ہو۔ اس نے میرے کندھے پر ہاتھ دھر کر کہا۔ زندگی میں بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔ سجن اس سے بھی کڑا اور سخت جب تو نے چیتن کے بنا امر کا بیاہ رچا لیا ہے۔ تو اب کیوں ڈرتا ہے۔ امر بھی تو چیتن کے بعد ہی پیدا ہوا تھا۔ ہے ہے بھئی کتنے سال ہو گئے ہیں۔ پر لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔ چیتن تو مجھے یوں بھی نہیں لگتا کہ نہیں ہے۔ دروازہ کھڑ کھڑ

کرے تو میں سوچتا ہوں اب جیتن اندر آئے گا۔ میری ماں کو ست سری اکال کہے گا۔ پھر آنکھیں جھکا کر اس کے پاس پائنتی بیٹھ جائے گا۔ میں روٹی کھاتا ہوں گا تو وہ ذرا ذرا دیر بعد ماں سے باتیں کرتے کرتے کہے گا یار جلدی کرنا۔ تو بھی کیا سوانیوں کی طرح چڑی کا چوگا کر رہا ہے۔ اوئے وہ سارے اکٹھے ہو گئے ہوں گے۔"

تو میں کیا کروں یار ہونے دے۔ اکٹھے ان کو بھلا تیرے میرے بنا بھی وہ کوئی بات کر سکتے ہیں۔

اور تو دیکھ دیر آج ہم اس کے بنا بیاہنے آ گئے ہیں۔ بھلا دنیا کا کوئی کام رک بھی سکتا ہے۔ ہونے دے ملنیاں۔ خوش ہو آج تیرے پوت کا بیاہ ہے۔ اوئے یہ دن تو کسی بھاگوان کو ہی دیکھنا ملتا ہے تیرا باپو سنتوک سنگھ کیا جانتا تھا کہ وہ مر جائے گا۔ بھاڑ دنیا بڑی ظالم جگہ ہے۔ تو تو آمر کا باپ ہے آگے بڑھ کر بیٹھ۔

میں نے سر جھکا لیا اور دریوں پر بیٹھے لوگوں کی قطار میں ذرا آگے کھسک کر بیٹھ گیا۔ کرتار سنگھ میرے پیچھے تھا۔ ہم جو آتشبازی لائے تھے اس نے گاؤں میں لہر بہر کر دی۔ بڑی بہار تھی۔ چکروں میں آگ تھی۔ لہریا آگ اترتی ہوئی چنگاریاں تھیں۔ انار پٹاخے بڑی دھوم تھی۔ لوگ بڑی دور دور کھڑے تھے۔ بچے زور سے چھٹے اناروں سے ڈر کر دور بھاگتے اور پھر شوق کے مارے آگے آ جاتے خوشی سے چیخیں مارتی لڑکیاں۔ اور تالیاں بجاتے ذرا ذرا سے لڑکے ہلکے

گرد تھے۔ بہت رونق تھی۔ لوگ امر کو بھول کر رنگ برنگی آگ کو دیکھنے میں لگے تھے۔ اور آگ بھی تھی کہ پھولوں کی طرح کھلی ہوئی اور چمکتی ہوئی جب آتش بازی ختم ہوئی تو گھر میں زور زور سے ڈھولک بجنے لگی اور گھنگروؤں کی جھنکاریں اور بھی جوش آ گیا۔

لیٹے ہیں۔ تو رضائیوں میں سے نئی روئی کی باس اٹھ اٹھ کر جاسوسوں کی طرح ہمارے گرد گھومنے لگی۔ میری بہو کا باپ بہت دیر تک میری پائنتی کی طرف بیٹھا رہا اور باتیں کرتا رہا۔ اس کی آواز میں منت نہ تھی۔ پر پھر بھی وہ شان نہ تھی۔ وہ اکڑ کر بات نہیں کر رہا تھا۔ وہ گھڑی گھڑی اپنی مونچھوں کو مروڑ نہیں رہا تھا۔ سر سے رانیاں کا سب سے بڑا سردار آن بان تو اس دالان سے باہر ہی چھوڑ آیا تھا۔ اس کی برادری کے اور لوگ بھی پہلے سے آئے بیٹھے تھے۔ اور اب چلے گئے تھے۔ کہاروں نے ہم میں سے ذرا بڈھوں کی ٹانگیں دبائیں جو ان لڑکے آمر کے گرد اکٹھے ہو رہے تھے۔

کرتار سنگھ نے ہولے سے کہا اس طرح ہم لوگ جیتن کے گرد بیٹھا کرتے تھے۔" وہ ہم سب سے بڑے تھے۔ اور جیتن کی وجہ سے ہم سب تم سے ڈرتے تھے۔ اس لئے ہماری کھیلوں اور باتوں میں بس کبھی کبھی آئے ہو۔ میں نے کہا مجھے اتنا سمے ہی کہاں ملتا تھا۔ جیتن تو جب جی چاہتا کام چھوڑ کر کبڈی کے مقابلوں اور میلوں ٹھیلوں میں جا گھستا تھا۔ پر میں تو ساری کھیتی باڑی کرتا تھا۔ پھر یہ بھی ٹھیک ہے میں تم سب سے

بڑا تھا"۔ ہولے ہولے راگ اور شور سردی کی رات میں مدھم ہونے لگا
کرتار سنگھ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

اگر چیتن ہوتا....... اگر....... مگر گشتم سر اس ٹھنڈی رات
میں میرا غصّہ اس کی بہادری کے مقابلے میں بہت ہی بلوان نکلا۔ اور وہ
غصہ بھی کہاں تھا وہ ساری پچھلی شکستوں کا ایک ڈھیر تھا۔ مجھے اس
کے مقابلے میں سدا ہار ملی ہے۔ اس سے ہمیشہ مات ہی کھائی ہے۔
بیس سال میں نے جس دکھ کو بھلانے میں لگائے ہیں۔ ایک ایک کر کے
بیس کہ میں اپنے آپ کو دھوکا دے سکوں۔ ماں کو دھوکا دے سکوں۔
جنداں کو دھوکا دے سکوں۔ اور انت میں مجھے معلوم تھا مجھے ہار ماننی
پڑے گی۔ آمر کو دیکھ کر مجھے وہ پل پل یاد آرہا تھا۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے بیس
سال بعد میں گھر سے اپنے بیاہنے نکلا ہوں۔ یہ برات چیتن کی ہے۔ اس
نے سہرا لگایا ہے۔ اور وہی سر سے راتیاں آیا ہے۔ اکیلے مجھی کو نہیں
کرتار سنگھ کو بھی یاد آرہا تھا۔ اور پھر مجھے لگا جیسے اور بہت دنوں یہ بات
چھپا نہ سکوں گا۔ میرے دل نے کہا چیتن نہیں ہے۔ اور بیس سال گزر گئے
ہیں۔ بیس سال کی سردیاں اور گرمیاں۔ بیس سال کی برساتیں اور
پت جھڑ سارے میرے اوپر سے بیت گئے ہیں۔

میں نے اپنے دل سے کہا۔ جس زخم کو تم نے بہت محنت کر کے اتنے سالوں
میں بھر لیا ہے اب اسے پھر کیوں کرید و گے اور ماں کو یہ بتانے سے فائدہ۔ جنداں
کو یہ کہنے سے کیا ملے گا۔ محبتیں وقت کے ساتھ بڑے دکھ سے نئے سہارے

ڈھونڈلیتی ہیں۔ اور نئے سہارے نہ بھی ڈھونڈیں تو اپنے آپ کو یادوں میں لپیٹ کر سردیوں کی رات کہانی سننے والوں کی طرح چپ چاپ بیٹھ کر صرف باہر کی ہوں ہاں میں حصہ لینا کافی سمجھتی ہیں۔ ماں کی دکھیا ہنسی کو میں کیوں رونے میں بدلوں۔ جنداں آج تک بھی سوال پوچھتی اور برچھے کی طرح چھید کر کے دل میں اترنے والی نظریں کیوں حیران کروں؟ میرا دل پتھر کا ٹکڑا تھا کہ اس کے ساتھ ٹکرا کر وہ ہر بار لوٹ آئی ہیں۔ اور کبھی پار نہیں پہنچ سکی ہیں۔ جنداں کی نظریں پانی پر ڈولتی کشتی کی طرح کبھی کسی کنارے نہیں لگ سکیں۔ ماں نے پتہ نہیں کن کن جتنوں سے دل کو صبر دیا ہوگا۔ آج وہ پوتے کے بیاہ کی خوشی میں نئے کپڑے پہنے اپنے سفید بالوں کو سنوارے گیتوں کے ملیے بولوں میں اپنے بول ملا رہی تھی۔ کیا اسے بھی یہ لگ رہا تھا کہ جیتن کی برات چڑھ رہی ہے۔ اور نہا دھو کر کیسری پگڑی باندھے وہی گھوڑی پر بیٹھا ہے۔ ماں کے دل میں پتہ نہیں کیا کچھ ہوگا۔ اس نے مجھے اور جنداں کو ایک لفظ بھی تو نہیں کہا۔

دل نے پھر کہا ایک سچ وہ بھی ہے جو تم اپنے آپ سے بولو گے۔ تمہیں بھی مرنا ہے، شمشان کی آگ میں راکھ ہوتا ہے۔ کیا تم اور کسی سے نہیں۔ کرتار سنگھ یہ نہ کہو گے کہ اس کی کھوج بیکار ہے۔

اور میں نے دل سے کہا۔ وہ بھید جو آج تک سوائے کرتار سنگھ کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکا میں اس سے سنوں گا۔ دل کے بند دروازے کھول کر بیس سال پہلے کی تنہائی کو آزاد کر دوں گا۔ اس بھید کو کرتار سنگھ اور میں مل کر

ایک دوسرے سے کہیں گے میں نے امر کو بیاہ لیا ہے۔ امر اب جوان ہے جنداں کی بیٹیوں کو وہ سنبھال لے گا۔ گھر کا کام، کھیتی اور برادری اب تو وہ سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ اب اگر چیتن کے بدلے مجھے پھانسی پر بھی چڑھنا پڑے تو میں ڈروں گا نہیں۔ آخر کس شئے سے ڈروں ؟

سالوں پہلے کا ایک بوجھ جو میرے دل پر سے اتر گیا۔ اور اس رات میں سویا تو میں نے سپنے میں چیتن کو دیکھا۔ میری جان میں اس کے لئے جتنا پیار تھا وہ سارا برساتی نالے کی طرح امنڈ آیا تھا۔ میں نے آگے ہو کر اسے گلے سے لگا لیا۔ اتنے سالوں سے اکھٹا ہوتا ہوا میل ڈھل کر کہیں نکل گیا۔

بیس سالوں پہلے میں نے اپنے کو اتنا ہلکا اور خوش جانا تھا۔ میں صاف دل سے کرتار سنگھ کی آنکھیں ڈال کر اس سے بات کر سکتا تھا۔ اس کے ہاتھ کے نیچے میرا دل اب کانپنے گا نہیں۔ جیسا بستر سے رانیاں کی طرف آتے ہوئے راہ میں کانپا تھا۔

کرتار سنگھ کا دل پتہ نہیں دیا تو ہے کہ نہیں۔ وہ مجھ سے اپنے دوست چیتن کا بھید کہے گا کہ نہیں۔ جانے وہ کیا بھید ہے؟ میں تو آج تک یہ سوچتا رہا ہوں کہ چیتن نے مجھ سے کوئی بھید نہیں چھپایا تھا۔ اس کی زندگی میں سوائے ایک بھید کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ وہی بھید جو اس کا اور میرا تھا اور جو سدا ہمارے دلوں میں رہا۔ پر میں بڑا ہی نردل تھا۔ اپنی جان سے پیارے چیتن کو بھی اپنے اور اس بھید کے درمیان برداشت نہ کر سکا۔ ہر کسی کو اپنے دل کے مطابق برداشت ملتی ہے۔ پتہ نہیں اگر میں اس سے بات کرتا تو وہ

میرے اور جنداں کی راہ سے آپ ہی ہٹ جاتا۔ واہ گرو ہی جانے وہ کیا بھید ہے جس کی خبر مجھے نہیں صرف کرتار سنگھ کو ہے۔ اس گھڑی مجھے لگا۔ جیسے کرتار سنگھ یونہی میرے اور چیتن کے بیچ میں آگیا ہے بھلا وہ کیا جانے؟

جنداں کی جوانی بھی اب ڈھل گئی ہے۔ جنداں کی جوانی بھی کیا شے تھی؟ وہ آنکھ اٹھا کر میری طرف دیکھتی تو میں گھبرا جاتا۔ پر اس کی نظر میں میرے لئے کبھی وہ پیار نہیں ہوا۔ جنداں نے اور میں نے دو ان جان لوگوں کی طرح ایک ہی گھر میں رہ کر ساتھ وقت گزارا ہے۔ بچوں کو بڑا کیا ہے۔ امر کو جوان کیا ہے۔ لڑکیاں بھی اب بیاہنے کے لائق ہو گئی ہیں۔ دو چار برس میں وہ تینوں بھی اپنے اپنے گھروں کو چلی جائیں گی۔ جنداں کی بہو لے کر اب ہم گھر کو پلٹ جائیں گے۔

جنداں کی بہو۔ ماں کی بہو۔ یہ چکر چلتا رہتا ہے۔ ایک کے بعد دوسری نسل یوں پھیلتی ہے۔ جیسے درخت پر بنا کھٹکا کئے۔ بنا کوئی آواز کئے نئی کونپلیں پرانے پتوں کی جگہ لے لیتی ہیں۔ یا جیسے رتیں بدلتی ہیں۔ دوسری سویر ہم ڈولی لے کر اپنے گاؤں پلٹے۔ نہر تک گاتی ہوئی عورتیں ہمیں وداع کرنے آئیں۔ میری بہو کے باپ کی آنکھیں جھکی جھکی تھیں جیسے ان میں منت ہو۔ اس کے ویر امر کی گھوڑی کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ امر کی ساس رو رہی تھی۔ اور باجوں والے اداس سروں میں دھیرے دھیرے وداع کے گیت بجا رہے تھے ہیں اور

کرتار سنگھ مٹھیاں بھر بھر کر بہو کی ڈولی پر سے روپے اور پیسے وار رہے تھے۔ دلہن کو لے کر پلٹتی برات کی بھی کیا شان ہوتی ہے۔ جیسے کسی دشمن کو ہرا کر اور خزانہ لے کر واپس آئیں۔ امر کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور وہ گھوڑے پر اکڑ کر بیٹھا مجھے چیتن لگتا تھا۔ کرتار سنگھ کا ہاتھ بار بار تھیلی میں سے نکلتا پیسوں کا جیسے مینہ برس رہا تھا۔ پتہ نہیں بہو کے جی میں کیا ہو جب میں جنداں کو بیاہ کر لایا ہوں تو پتہ نہیں اس کے جی میں کیا تھا۔ میں آج تک نہیں جان سکا۔ کہ اس کے جی میں کیا ہے۔ کوئی انسان بھی دوسرے انسان کے دل کی بات نہیں جان سکتا! یہ اکیلے رہنے کا کیسا دکھ ہے ہے واہ گرو۔ سچے رب یہ زندگی بھی کیا ہے؟

اور آج سے بیس سال پہلے میں نے ایک جھوٹی تسلی اور ظاہری فتح کے لئے چیتن کو کسم سر میں سلا دیا تھا۔ براتیوں کے قدم راہ میں ہلکے پڑ رہے تھے۔ جی بھر کر پی ہوئی شراب کا نشہ سردی کی تیز ہوا میں دوگنا ہو رہا تھا۔ ڈولی کے ساتھ ساتھ امر اکیلا تھا اور کہار تھے۔ باقی جوان دو دو چار چار آگے پیچھے ہو کر زور زور سے ہنستے آ رہے تھے۔ میں اور کرتار سنگھ دونوں چپ تھے۔ ساری راہ اس نے چیتن کی بات نہیں کی۔ بھلائی ہوئی پرانی باتوں کو یاد کرنے سے کیا فائدہ۔

جب ہم گاؤں سے باہر پہنچے تو نہر کی پٹڑی پر میں نے اپنی ماں کو دوسری عورتوں سے الگ ہو کر کھڑے دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ آنکھوں پر کر کے ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف منہ کئے روشنی سے بچتی ہوئی ہمیں

اس کے بعد آنے والی بہوئیں سب یہی کریں گی۔میری اپنی بیٹیاں ہیں نے سوچا اپنا سر اس چوکھٹ پر رکھ دوں جس کے اندر سے کر ابھی وہ بہو کو بٹھا آئے ہیں۔

ساری لڑکیوں کے ہاتھ کی لکیریں ایسی ہیں کہ تانے میں دور دیس کا بانا پر دیا ہوتا ہے۔ مجھے نجوم جوتش پر کوئی اعتبار نہیں۔ پر ایک دفعہ گاؤں کی گلیوں میں ایک جوگی آیا تھا۔ کھلی رت تھی چاہے ماں کو یاد ہو نہ ہو پر مجھے یاد ہے۔ اس دن ساری گلی کی عورتوں نے جوگی کو بڑے آنگن میں بلایا تھا۔ اور خوشی خوشی بیٹھی اپنے اپنے ہاتھ آگے کئے منہ ڈھانپے کتنی ہی آسیں جی میں باندھے تھیں۔ جب جوگی۔ سب کے ہاتھ دیکھ چکا تو چرخہ کاتتی ماں کو کہنے لگا۔"بی بی تو بھی اپنی قسمت کا حال پوچھ"۔ ماں نے آنکھیں اٹھائے بنا جواب دیا۔"جوگی جی مجھے اپنی قسمت کا حال پتہ ہے میں پوچھ کر کیا کروں گی"۔ جوگی نے کہا تھا۔ تو یہ کر بی بی آنے والے دن کا حال کسے پتہ ہو سکتا ہے۔ آگے تو سارا اندھیرا ہوتا ہے۔ ہم بھی علم کے زور سے صرف اٹکل کی بات کرتے ہیں۔ بی بی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں۔ میں تجھ سے کوئی دھن دولت تو نہیں مانگتا کوئی دان نہیں لوں گا۔ اٹھ کے آ میں تیرا ہاتھ دیکھوں"۔

ماں جب پھر بھی چپ رہی اور اپنی جگہ سے نہیں ہلی تو پاس بیٹھی سوانیوں میں سے ایک نے کہا"اس بے چاری کی کیا قسمت ہو گی جوگی جی۔ جوان تھی تو سر پر سے سائیں اٹھ گیا۔ دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ کبھی گبھرو ہونگے تو شاید اس کے دن پھریں اب تو مصیبت ہے۔"

جوگی نے پہلے میری طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا "یہ کاکا ہے نا اس بی بی کا پوت؟"

ماں نے سر اٹھا کر پہلی بار جوگی کو دیکھا اور بولی ہاں جی یہ میرا پوت ہے۔ دعا کرو ماں کی زندگی لمبی ہو۔ جوگی نے آنکھیں بند کر کے کہا "لے بی بی ہم نے کہہ دیا۔"

ماں کو جیسے بعد میں یاد آیا ہو کہنے لگی میرے چیتن کی بھی تو زندگی لمبی ہو جوگی جی۔

جوگی نے کہا پہلی بار ہی دونوں کا نام کیوں نہ لیا۔ تو نے ایک ہی کے لئے کیوں کہا تھا۔ واہ گرو کے دربار میں ہم گھڑی گھڑی ایک ہی آدمی کی عرضی نہیں لے جا سکتے بی بی۔ تو چیتن کے لئے آپ ہی کہہ اب ہم نہیں کہہ سکتے۔

ماں چرخہ چھوڑ کر جوگی کے پاس آن بیٹھی اور اس کی منتیں کرنے لگی۔ مگر جوگی نے پھر اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ چپکے سے اپنی گٹھڑی اٹھائی اور بڑے آنگن میں سے نکل گیا۔ ماں اپنا کلیجہ پکڑ کر وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ ماسیاں۔ چاچیاں سب اکھٹی تھیں کہنے لگیں "نی بنتی واہ بھلا اتنی سی بات پر کیوں دل تھوڑا کرتی ہے۔ یہ تو سارا تماشا تھا۔ کبھی یہ بھی ہوا ہے کہ ایک گھڑی واہ گرو کا دربار ذرا دیر کے لئے کھلا رہے۔ اور پھر بند ہو جائے۔ جوگی تجھے ڈرانا چاہتا تھا۔ دو چار دن بعد پھر پھیرا کرے گا اور تجھ سے چاول۔ گڑ۔ روپے۔ کپڑا مانگے گا۔ اور پھر چیتن کے لئے بھی واہ گرو سے عرض کرے گا۔ جو ان بہوؤں نے ہنس ہنس کر ماسی

بنتی کو تسلی دی۔ بات پرانی ہو گئی۔ ماں بھی اسے بھول گئی۔ وہ جوگی پھر کبھی ہمارے گاؤں نہیں آیا۔ اس گلی میں سے نہیں گزرا۔ پہلے چند دن تو ماں اس کی باٹ دیکھتی رہی پھر اسے تسلی ہو گئی۔ ہر روز سادھو سنت گاؤں میں آتے ہیں۔ کوئی ان کی باتیں پتھر پر لکیر ہو جاتی ہیں؟ پر مجھے وہ گھڑی آج تک یاد ہے۔

اب بھی عورتیں بہو کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور چھوٹی لڑکیاں بڑی عورتوں کی ٹانگوں میں سے ہو ہو کر اور اچک اچک کر بہو کو دیکھ رہی ہیں۔ سہاگ کے گیت ڈھولک کے ساتھ ساتھ اوپر اٹھتے جاتے ہیں۔ اور چنداں اندر باہر آجا رہی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کوئی گھڑی نیکی ہوتی ہے۔ کیا واہ گرو کا دربار کبھی کھلتا ہے؟ اگر اس دن اپنے چرخے کو چھوڑ کر ماں جوگی کے پاس آ بیٹھتی اور میرے ساتھ ساتھ چنتن کے لئے بھی جوگی سے کہتی تو آج چنتن بھی ہمارے ساتھ ساتھ سر سے رانیاں سے لوٹتا میں اور کرتار سنگھ اتنے چپ چپ نہ ہوتے جیسے دونوں کے دلوں میں بھید ہوں۔

ماں کو کیا پتہ تھا اس کی قسمت کیسی ہے۔ جوگی نے ٹھیک ہی تو کہا تھا۔ ہم سب اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں۔

میں نے اتنے برسوں سیاہ کالی رات میں سفر کیا ہے۔ دن کی روشنی میں میں اور کرتار سنگھ اکٹھے دیکھیں گے۔ جب میں نے پھر ماں کو دیکھا تو وہ اندر کے دالان میں چنداں کے پاس کھڑی

بہو کے جوڑے ہاتھ میں پکڑ کر آنکھوں کے پاس کر کر کے غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں باہر چلا آیا۔

جب جی میں کوئی بھید ہو تو دل بھرا بھرا لگتا ہے۔ بوجھل سا کبھی کبھی تو یہ بوجھ اتنا ہوتا ہے۔ مانو جی کو پیس کر رکھ دے گا۔ اگر تم دو گھڑیاں اور اسے کسی کو نہیں بتاؤ گے۔ تو اس کے بوجھ سے ٹوٹ جاؤ گے۔ برسات میں گیلی دیوار کی طرح بیٹھ جاؤ گے۔ امر کے بیاہ کے بعد جب میں نے کرتار سنگھ کو ڈھونڈنا چاہا۔ تو وہ مجھے نہ ملا۔ وہ پاس والے گاؤں میں رہتا تھا۔ اور اس کے بھی بہت دشمن تھے۔ بات کا سچا قول کا پکا، یاروں کا یار ہنس ہنس کر دلوں کو موہ لینے والا کرتار سنگھ یونہی کسی نہ کسی مقدمے میں پھنسا رہتا تھا۔ اس دن جب میں گھر سے یہ سوچ کر گیا کہ کرتار سنگھ کے پاس جاؤں گا۔ تو اپنا دل ہلکا کر کے آؤں گا۔ چاہے وہ مجھے پولیس میں دے دے چاہے نہ دے۔ تو کرتار سنگھ گھر پر نہیں تھا۔ میں نے کھلے دروازے کے ایک طرف گھوڑی سے اتر کر جب کرتار سنگھ کو آواز دی تو اس کی ماں باہر آئی۔

اس کی ماں نے مجھے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کرتار سنگھ یوں بھی جیتن کا یار تھا، پھر جیتن کے مرنے کے بعد سے بنا کسی سبب کے ہم دونوں کا آنا جانا بند ہو گیا، اپنا گاؤں ہو تو ہر کسی سے بیر اور یاری کی بات چلتی رہتی ہے۔ پھر میرا تو کرتار سے کبھی جھگڑا بھی نہیں ہوا کئی سال تک میں نہ کبھی ہنس کر اسے دیکھتا اور نہ وہ مجھ سے سوائے ست سری

اکال کے کوئی بات کرتا، رُت کے میلوں پر وہ اپنے گاؤں کے جوانوں اور یاروں کے ساتھ ہوتا اور میں اپنی برادری کے لوگوں اور یاروں کے ساتھ۔

میں نے کہا ماسی کرتار سنگھ کہاں ہے، تو ماسی نے غور سے میری طرف دیکھا۔ اور پھر کہنے لگی تو کسی دوسری جگہ سے آیا لگتا ہے۔ بھاؤ اندر آجاؤ۔ اور گھڑی چیتن کر لستی پانی پی کہ کرتار سنگھ تو سویر کا کچہری گیا ابھی تک نہیں لوٹا۔" یہ بھی نہیں پتہ کہ کب آئے۔ اگر کوئی کام کہنے والا ہے تو مجھے کہہ دے، اگر نہیں تو اندر آجا دم لے کر جانا۔

جب میں نے اُسے کہا کہ میں چیتن کا بھائی اور ریتے والا کا ہوں تو اس نے اپنا ہاتھ اونچا کر کے میرے سر پر پیار دیا، پھر بولی "ویر میں نے تجھے اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں، پر چیتن تو مجھے کرتار سنگھ سے زیادہ پیارا تھا، وہ تو میرے کرتارے کا پکا یار تھا، دونوں میں بڑی پریت تھی، کیا اونچا لمبا اور سوہنا جوان تھا۔ اسے تو دیکھنے والوں کی نظر ہی کھا گئی۔ سُنا تیری ماں کا کیا حال ہے، سُنا ہے تو نے اپنے پوت کا بیاہ بھی کر لیا ہے، ہائے ہائے کتنے سال ہو گئے۔ زمانہ کتنی جلدی گذرتا ہے۔ پر مجھے تو چیتن یوں یاد ہے، جیسے یہ ساری کل کی بات ہو۔

میں نے ہولے سے کہا وہ کسی کو بھولنے والا نہیں تھا ماسی، وہ تو نگ تھا نگ۔

ماسی نے کہا۔ نگ بھی ایسا کہ کیا کہنے۔ اس طرح کے پوت کوئی

روز روز پیدا ہوتے ہیں۔ پر بھاو دتو اندر آجاتا۔ یہ دروازے کے سامنے کھڑی میں تجھ سے کیا باتیں کر رہی ہوں۔ تو کوئی غیر ہے۔ اپنے چیتن کا بھائی ہے۔

ماسی نے بڑے سے پھاٹک کا دروازہ کھول دیا اور میں گھوڑی کی باگ پکڑے پکڑے اندر آ گیا۔ لگام اٹکا کر میں نے کھیس کو گرد جھاڑنے کے لئے جوتوں پر مارا پھر کھانس کر گلہ صاف کیا اور گردن نیچی کئے ماسی کے پیچھے پیچھے اندر چلا گیا۔

دالان میں جا کر ماسی نے کہا "پوت اس بڑے پلنگ پر بیٹھ جا۔ نی کُڑیے ہر نام کور ذرا جلدی سے چائے پکا کر لا، اچھی گرم گرم ہو۔" اس نے وہیں سے آواز دی۔

دالان کے بڑے دروازے کی رنگین چولیں کڑ کڑ بولیں۔ پھر ایک مٹیار نے ایک پٹ کھول کر اندر جھانکا اور دیکھ کر پلٹنے لگی تو ماسی نے کہا، کُڑیے ادھر آجا کیوں مڑ رہی ہے۔ ست سری اکال کر یہ تو تیرا تایا لگتا ہے۔ یہ کرتار سنگھ کی بڑی لڑکی ہے۔" ماسی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔
میں نے اٹھ کر لڑکی کے سر پر پیار دیا۔ اگر چیتن زندہ ہوتا تو اس کی لڑکی بھی اس لڑکی کی ہم عمر ہوتی۔

میں نے کہا ماسی میں کچھ نہیں پیوں گا۔ آج تو میں بڑے ضروری کام سے کرتار سنگھ سے ملنے آیا تھا، اگر یہ بھی پتہ ہو کہ وہ کب تک واپس آئیگا۔ تو میں یہاں ٹھہر جاؤں۔

ماسی نے کہا پوت بستے گھروں سے کوئی بنا کھائے پیئے کیسے چلا جائے تُو بھی تو اندھیر کرتا ہے اور پھر چلئے تو پانی ہوتی ہے کو لسنا اٹکی رہتی ہے جا نی کرٹے ماں کو کہہ ذرا فٹا فٹ چلئے بنا دے۔

لڑکی آدھے پٹ میں سے ہوا کی طرح گذر کر باہر چلی گئی۔

ماسی کہنے لگی، چیتن جیتا ہوتا تو اس کی بھی اب جوان اولاد ہوتی پر ویر قسمت کے ساتھ کون ٹکر لے سکتا ہے، کتنی اچانک، اس کی موت ہوئی ہے۔ مجھے تو اس کے مر جانے کا سُن کر یقین نہیں آتا تھا، اس سے پہلی شام وہ یہاں آیا تھا۔ کرتار سنگھ اور وہ رات گئے تک پہلے وہ آنگھن میں بیٹھے رہے۔ ہولے ہولے کچھ باتیں کرتے رہے پھر چیتن اکیلا ہی چلا گیا۔ جانے سے پہلے وہ مجھے ضرور مل کر جایا کرتا تھا پر اس نے اُس دن مجھے کچھ بھی نہ کہا۔ میں یہی سوچتی رہی کہ یہاں کہیں گیا ہوگا، ابھی پلٹ کر آئے گا۔ پر جب وہ دیر تک نہ آیا تو میں نے آواز دے کر کہا۔ کرتارے تُو کیا کر رہا ہے، چیتن چلا گیا ہے!'' ؟

کرتارے نے کہا ماں اُسے تو گئے بڑی دیر ہو گئی ہے''۔

پتہ نہیں کیوں یہ سُن کر ایسے لگا جیسے کسی نے زور سے مُکا میری چھاتی پر مارا ہو۔ میں نے اُسے پھر کہا، دے آج تو وہ مِل کر بھی نہیں گیا۔ کیا بات ہے۔ ؟''

تو کرتارے نے کہا ''ہاں اُسے بڑا ضروری کام تھا چلا گیا ——''

اس رات میں نے کرتارے کو بڑا بے چین دیکھا۔ وہ گھڑی گھڑی اٹھتا

پھرتا دروازے کی طرف دیکھتا پھر لیٹ جاتا کوئی پہر رات گئے میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کھیس کی بُکل مارے وہ کہیں جانے کی تیاری کر رہا ہے میں نے پوچھا "وے کاکا اس وقت کہاں جائے گا تو کہنے لگا "ماں پتہ نہیں کیوں میرا جی اُڑ رہا ہے۔ واہ گرو خیر کرے چیتن نے تو واپس آنا تھا۔ اُسے کیا ہوا ہے؟ میں اُسے دیکھنے جا رہا ہوں۔

پتہ نہیں پوت اگر میں اُس وقت کرتارے کو جانے دیتی تو شاید چیتن نہ مرتا۔ گھڑی بھی ہوا کا جھونکا ہے گزر جائے تو گذر ہی جاتی ہے۔ وہ گھڑی میرے ہاتھ نہیں آتی پوت، آج بتیس سال ہو گئے ہیں، میں ہاتھ ملتی ہوں اور کہتی ہوں کہ اگر کرتارے کو اس وقت نہ روکتی تو آج چیتن زندہ ہوتا۔ کبھی کبھی میں تو سوچتی ہوں چیتن کے مرنے کی ذمہ داری میرے سر پر ہے، اُس وقت نہ پوچھ پوت میرا کیا حال ہوتا ہے۔ بس تو اس طرح سوچ لے میری چھاتی پر پتھر دھرا رہتا ہے۔ میں نے گوردوارے میں جا کر گرنتھ کے سامنے رو رو کر ارداس کی ہے پر پتھر وہیں ہے" اور ماسی نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا۔

میں چپ چاپ بیٹھا تھا، میں تو کچھ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ماسی نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔ پوت رب کرے بازو ہر ایک کے سلامت رہیں۔ تیرا باپو مر گیا تھا تو تیری ماں کو اتنا رنج نہیں ہوگا۔ پر چیتن، ہیرے کی کنی تھا وہ تو میرے آنگن میں آتا تو یوں لگتا جیسے سو آدمی آئے ہوئے ہیں، اور اتنے سالوں میں جب میں اُسے نہیں

بھلا سکی تو تیری ماں نے اُسے کیسے بھلایا ہوگا۔ اولاد اولاد میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ کسی سے زیادہ پیار ہوتا ہے اور کسی سے کم۔

دالان کی طرف سے کھلے پٹ میں سے کرتار سنگھ کی لڑکی چائے کی باٹی اٹھائے ہولے ہولے چلتی میری طرف آئی۔ ماسی نے اٹھ کر باٹی کو جلدی سے پکڑ لیا اور کہنے لگی " ویر بڑی گرم چائے ہے تو ذرا اپنے پرنے سے اسے پکڑ لے، میں تیرے لئے پنجیری لاؤں۔

میں نے باٹی پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو یوں لگتا تھا باہیں لوہے کی ہیں اور اٹھیں گی نہیں۔

ماسی مجھے رنگین پایوں والے بڑے سارے نواری پلنگ پر اکیلا بیٹھا چھوڑ کر آپ بغل والی کوٹھڑی میں پنجیری لینے چلی گئی۔ چھوٹی سی کھڑکی دوسرے آنگن میں کھلتی تھی۔ جامن۔ امرود اور آم کے بوٹوں کی باس اندر آ رہی تھی۔ درختوں کا رنگ بڑا نکھرا ہوا اور گہرا تھا، جیسے کسی سوانی نے انہیں بڑے ہی چاؤ سے رنگا ہو۔ سفید رنگ کی لمبی گردنوں والی بطخیں اپنے بھدے پاؤں زور زور سے مارتی ایک دوسرے کے پیچھے کیں کیں کر کے بھاگ رہی تھیں اور شور کر رہی تھیں۔

ماسی کے ساتھ ہی باہر سے کرتار سنگھ آگیا۔ میں نے باٹی پلنگ کی پائینتی رکھ دی اور اٹھ کر اس کے گلے لگ گیا۔ کرتار سنگھ کو سینے سے لگا کر مجھے لگتا تھا۔ میں بتیس سال بعد گھومتا گھومتا کہیں ایسی طرف آ نکلا ہوں جہاں چیتن ہے۔ اس کی خوشبو ہے۔ اس گھر میں تو چیتن

کا نام ہمارے گھر سے بھی زیادہ لیا جاتا تھا' وہاں چیتن کو یاد کرنے والا کون تھا؟ میں ــــ میں نے تو کبھی بھولے سے بھی ماں کے سامنے اس کا نام نہیں لیا تھا۔ میں تو آپ چور تھا" اپنے سے آپ شرمندہ، بھلا میں چیتن کا نام کیسے لے سکتا تھا؟

کرتار سنگھ نے کہا بہت اچھا کیا بھاوؤ تم آ گئے، ورنہ میں تو آپ آ رہتے والا جاتا۔ امر کے بیاہ کے بعد سے آ کر ایک بڑا الٹا سا مقدمہ پڑ گیا ہے۔ بس ہر روز بڑے شہر کے چکروں میں لگا آ ہی نہ سکا۔ اور سنا تُو گھر میں تو سب خیر سکھ ہے، بہو کیسی ہے؟ میکے چلی گئی ہو گی۔ بھابھی کا کیا حال ہے۔ امر تو راضی خوشی ہے؟

ماسی نے کہا "دے کاکا اسے چاء تو پینے دے، ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ خیر سکھ کی خبر بیٹھ کر پوچھ لے۔

کرتار سنگھ نے کہا او ہو مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ بھاوؤ چائے پی رہا تھا۔ چل بھاوؤ تو چائے پی میں ذرا منہ پر پانی کا چھینٹا مار آؤں۔ اور وہ دالان کی طرف کھلنے والے نگین دروازے کو پورا کھول کر باہر چلا گیا' اس کی بیوی لمبا سا گھونگٹ کاڑھے چولھے کے پاس بیٹھی تھی، دوسری طرف ایک اور مٹیار سی بہو برتن مانجھ رہی تھی۔ کھٹولی پر بچہ سو رہا تھا۔ اور وہ بڑی لڑکی کروشیا ہاتھ میں لیے گولا بغل میں دبائے تیز تیز ہاتھ مارتی لیس بُن رہی تھی۔ کبھی کبھی پنگھوڑے کو ہاتھ سے ہلکا سا جھٹکا دے دیتی۔ کرتار سنگھ باہر گیا ہے تو اس کی بیوی نے اٹھ کر اس کے منہ دھونے کے لئے پانی کا کنڈال بھر کر اینٹوں کے بنے ایک چبوترے پر رکھ دیا ہے

ماسی نے کہا "اسے بھادؤں یہ پنجیری کھا" یہ پنجیری چیتن کو بڑی اچھی لگتی تھی، کہا کرتا تھا "ماسی بس میں تو تیرے ہاتھ کی بنی پنجیری کھا کر خوش ہوتا ہوں۔ زیادہ میٹھا بھی نہ ہو۔ زیادہ بھونی ہوئی نہ ہو" پہلے تو کرتارے کو یہ میٹھی چیزیں پسند نہ تھیں پر چیتن کے بعد سے وہ بھی اس پر بڑا ریجھ گیا ہے۔ میں تو اب سردیوں میں دو تین دفعہ یہ پنجیری بناتی ہوں، گر گھ تو بس پاگلوں کی طرح اسے کھاتا ہے۔ روٹی نہ کھائے پر پنجیری ضرور کھائے گا، پر ویر اس کی تعریف کرنے والا سوائے چیتن کے کوئی نہیں۔ وہ تو میرے سو کام کر دیتا تھا میرا بیلنا بگڑ جاتا تو منٹوں میں ٹھیک کر دیتا، مجھے تو وہ اپنا پوت لگتا تھا۔

ماسی ماسی کہتے اس کا منہ خشک ہوتا تھا۔ کرتارے کے باپو سے تو یوں اس کی یاری تھی۔ بڑی بڑی قسمت تھی وہ مر گیا۔ ساری بات تو یہ ہے کہ آج تک پتہ ہی نہیں چل سکا کہ اسے کس جوان نے مارا ہے۔ وہ کسی سے مات نہیں کھا سکتا تھا۔ اس کی تو نظر میں بڑا بل تھا، کسی کو ایک دفعہ دیکھ لے یہی کافی تھا۔ کرنار سنگھ اندر آیا تو کہنے لگا "ماں چیتن کی باتیں کر رہی ہو گی۔ بھادؤں یہ تو آج تک روتی ہے پہلے پہل تو تہواروں کے دنوں رویا کرتی تھی۔ ہولے ہولے اسے صبر آ گیا ہے، پھر بھی یاد کر کے بڑی بے چین ہو جاتی ہے۔"

ہم تینوں چپ تھے، چائے کے گھونٹ میرے حلق میں آگ کی طرح لگتے تھے، میرے سینے میں چتا جل رہی تھی۔ میں چیتن کا بھادؤں تھا۔ اس کا ماں جایا تھا اسے چاہنے والا تھا۔ میرا تو وہ بڑا لحاظ کرتا تھا، اس نے کبھی زور سے بات نہ کی تھی۔ پر ماں کے کیسے کانیاں جانے پر نیار جو ہوا ہے

تو پھر میرا اس کا دل نہ مل سکا۔

کرتار سنگھ نے کہا بھادو سب سے بڑا دکھ یہ ہے کہ انسان بھول نہیں سکتا۔

ماسی نے کہا "بھولنے والی بات کو انسان بھول بھی جاتا ہے۔ نت روز کی دشمنیاں، مقدمے بازیاں کتنا کچھ ہوتا ہے۔ اگر آدمی ہر شخص کو یاد رکھے تو دماغ کیا ہو جائے، پر کا کلوت تو ایسی شے نہیں کہ اس کو بھلایا جا سکے۔ ہر خوشی کے موقع پر رنج نیا ہو جاتا ہے جو نہیں ہوتے اُن کی یاد آتی ہے۔ تب پتہ چلتا ہے کہ جنہیں ہم بھولے رہے وہ ہمارے پاس ہی تھے، ہمارے دل میں، ہماری آتمامیں ہمارے گرد۔"

کرتار سنگھ نے کہا "ماں کچھ نہ پوچھ۔ آمر کے بیاہ پر وہ کتنا یاد آیا ہے۔ تو نے تو آمر کو دیکھا نہیں نا، بس یوں جان کہ عین بہ عین جیتن ہے، ہنستا ہے تو لگتا ہے، اتنے سالوں بعد اسی طرح جوان کا جوان۔ کہیں سے وہی آکر سامنے کھڑا ہو گیا ہے۔ بات کرتے ہوئے اسی طرح اس کے ہونٹوں کے کناروں پر ذرا ذرا سی مسکان رہتی ہے، دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار کرتا ہے میرا دل گلے میں آن دھڑکتا ہے۔ جیتن کی مورت ہے وہ تو۔

ماسی نے کہا "بھادو تو نے تو ہمیں اس کے بیاہ پر بلایا ہی نہیں۔ پر رب اصل خیر رکھے، جیتا رہے، پھر کبھی اسے دیکھ لیں گے۔"

آنگن میں سے کسی کے کھانسنے کی آواز آئی تو ماسی نے کہا "یو گرمکھ بھی آ گیا ہے، میں ذرا اس کا پتہ لوں۔ سویرے سے اس کا جی اچھا نہیں ہے۔ تم دونوں باتیں کرو۔" ادماسی جاتے ہوئے دالان کی طرف کھلنے والا دروازہ

بند کر کے چلی گئی۔

کرتار سنگھ نے کہا "بھادو بڑا ہی مشکل مقدمہ ہے اور آ بھی ایسے ہی پڑا ہے۔ وہ اپنا کیر سنگھ ہے نا، اُس کے بھتیجے کو کسی نے شہر جاتے راہ میں پکڑ لیا اور مار ا جان تو بچ گئی پر بڑی بڑی طرح کی حالت ہوئی ہے۔ اب یار کیر سنگھ کی اور میری دشمنی بڑی پرانی ہے۔ ایک بار کھیتوں کے کناروں پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ تب سے اب تک بول چال بند ہے۔ بیر اپنی جگہ ہے اور بھتیجا اپنی جگہ، اس نے لوگوں کے ساتھ میرا نام بھی یونہی تھانے پولیس میں لکھوا دیا ہے۔ تھانیدار اپنا پرانا یار ہے۔ اس نے کہا تو ہے کہ ایسی بات کوئی نہیں پر فکر تو پھر بھی ہونا ہی ہے۔ ماں کو میں نے بتایا نہیں، ناحق فکر کرے گی۔ آج کل تو لوگ یونہی بات بات پر دوسروں کے سر قتل لگا دیتے ہیں۔ یار دوسرے آدمی کو جان سے مارنا، کوئی ایسی ویسی بات ہے، بڑے دل گردے کا کام ہوتا ہے۔ اپنا بھی آدھا حصہ ساتھ مر جاتا ہے۔ کیوں بھادو۔ مگر میں نے اس کی بات کا کوئی جواب دینے کے بجائے پوچھا کیر سنگھ کی اور تمہاری دشمنی کتنی پرانی ہے۔ کرتار سنگھ نے کہا۔ ویر دشمنی چاہے کتنی بھی پرانی ہو پر کوئی جان سے تو نہیں مار دیتا نا۔ ہوا کبھی جھگڑا پڑے چار کھالیں اور چار ماریں۔ آدمی کی جان تو بڑی عجیب شے ہے۔ اس کا کیا مول ہے، میں تو کتنے بھی غصے میں ہوں پر جان سے مار دینے کے خلاف ہوں، چاہے مجھے کمزور دل کہو چاہے جو تم ٹھیک سوچو۔

میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے کہا "کرتار سنگھ انسان

کو اپنے پر اختیار کب ہے۔ جو کچھ کرواتا ہے۔ رَبّ آپ بیچ میں ہو کر کرواتا ہے۔
کرتار سنگھ زور سے ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ یار ربّ کہاں۔ ان ساری باتوں میں دخل دینے آجاتا ہے۔ یہ سامنے ایک مڈّا جا رہا ہے۔ تمہیں غصہ آئے اور تم آ سے اپنے پاؤں کے نیچے سرمہ بنا دو اور پھر کہو کہ ربّ کا حکم تھا۔ میں تو آپ کی بات نہیں مانتا۔
میں نے کہا اگر میں آج تمہیں ایسی بات سنا دوں تو میں تم سے بہت کچھ کہنے آیا ہوں کرتار سنگھ نے مجھے حیران ہو کر دیکھا اور کہنے لگا، آؤ پھر حویلی میں چل بیٹھیں۔ آرام سے بات کریں گے۔
راستے میں ہم دونوں میں سے کوئی بھی نہ بولا۔ کرتار سنگھ حیران تھا کہ میں آخر اُسے کیا کہنے والا ہوں اور میں اچھی بُری یادوں میں لپٹا۔ یوں لگتا تھا، جیسی اپنی آخری گھڑی تک آ گیا ہوں۔ یہ ہوا جو میرے گرد ہے اب میرے بدن کو چھو رہی ہے۔ اس گھڑی کے بعد بند ہو جائے گی اور میں اس باس کو پھر نہ سونگھ سکوں گا۔ اپنے پیار کے مارے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے سدا اپنے آپ سے پیار کیا ہے۔ چیتن سے نہیں، آمر سے نہیں، اپنے آپ سے، اس آخری گھڑی میں یہ بحث نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں کرتار سنگھ سے وہ بات کہوں کہ نہیں۔ پھر بھی ان جانا سا ایک خوف تھا۔ جو میرے گھومتے ہوئے سر میں کبھی ادھر جاتا، کبھی اُدھر۔ کرتار سنگھ نے کمہار سے کہا کہ وہ گھر چلا جائے۔ حویلی میں ہم دونوں اکیلے تھے۔ مجھ سے بیٹھا نہیں جاتا تھا۔ پیپل کے پتوں پر سرکتی دھوپ ہلتی ہوئی جان پڑتی تھی اور ٹھنڈی ہوا میں ایک جھک سی تھی، میں پنجرے میں بند جانور کی طرح بے چین سا

کبھی کرتار سنگھ کے قریب آکر کھڑا ہو جاتا اور کبھی آنگن میں گھومنے لگتا۔ میرا دل آگ کا انگارہ لگ رہا تھا۔ جو میرا سینہ جلا رہا ہو۔ میرے ہاتھ پاؤں میں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ پتہ نہیں چنگاریاں سی کیوں اڑ رہی تھیں، میں آنکھوں کو مل رہا تھا۔ دیواروں پر اپنے پروں میں چونچیں دیئے ہوئے کبوتر مجھے مرے ہوئے لگتے تھے اور شہد کی بھن بھن کر کے ہوا کے ساتھ اڑتی مکھیاں مجھے آگ کی چنگاری لگتی تھیں۔

کرتار سنگھ نے اندر سے شراب کی بوتل لا کر پلنگ پر رکھ دی پھر کہیں سے شیشے کے دو گلاس نکال لایا اور انہیں بھرتے ہوئے کہنے لگا، بھاؤ اپنے منہ کو تو وہ ولایتی شراب دارو کی طرح لگتی ہے۔ اس کا سواد اپنی زبان پر نہیں ابھرتا یار میں یہ شراب آج ہی لایا ہوں۔ بھٹی قسم سے بڑی تیز ہے یوں چٹکیوں میں نشہ چڑھتا ہے، ذرا پی کر تو دیکھ ویرا ایک دفعہ سرور آجائے گا۔

میں نے کہا نہیں کرتار سنگھ میں آج نشہ کرنے نہیں آیا، بھاؤ میں تو تیرے پاس ایک کام سے آیا ہوں۔ ایک خاص بات کہنے کے لئے۔ بیس سال پہلے کا ایک بوجھ اتارنے۔

کرتار سنگھ نے گلاس زبردستی میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا، ویر تو بنا ڈر کے اپنے سارے بوجھ میرے سر پر رکھ دینا، پر یہ تو پی لے۔

میں نے گلاس اس کے ہاتھ سے لیکر ایک ہی سانس میں چڑھا لیا اور خالی گلاس کو پلنگ پر پھینک دیا۔ میری سرد ہوتی رگوں کی آگ میں گرمی مل گئی۔ میرا ڈوبتا ہوا دل ابھرنے لگا، جیسے پانی کے لاش تیرتی پھرے۔ میرے اندر

ساری مری ہوئی بھلائی ہوئی باتیں ابھرتی آتی تھیں۔ ایسی دیسی شراب میں پتہ نہیں کیا تھا۔

کرتار سنگھ چسکی لے کر گھونٹ گھونٹ پی رہا تھا، اور میری طرف دیکھ نہیں رہا تھا، شاید وہ چینن کو یاد کر رہا تھا یا شاید وہ میرے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔ یا ہو سکتا ہے وہ صرف شراب کا مزہ لے رہا ہو۔ اس کے چہرہ پر کوئی سوچ نہ تھی۔ اس کا ذہن جلانے خالی تھا، مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں بات کیسے شروع کروں۔ بیس سال کی دبی ہوئی ہمت بڑی دردبھری کوشش کر کے بوجھ تلے سے نکل رہی تھی کچلی ہوئی۔ بگڑی ہوئی لاش کی طرح سے میں نے کرتار سنگھ سے کہا، کیوں کرتار تو مجھے کیسا سمجھتا ہے۔

اس نے اپنے گلاس پر سے بہت ہولے ہولے نظریں اٹھائیں۔ اور میری طرف دیکھتا رہا۔ اس نے میری بات کا جواب ایک دم نہیں دیا۔ پھر اپنا سر ہلا کر کہنے لگا، تم مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟

میں نے کہا "ساری بات ہی یہی ہے کہ تم جس طرح کا مجھے سمجھو گے۔

کرتار سنگھ نے کہا "بھاؤ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں تمہیں کیسا سمجھتا ہوں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بھاؤ بات تو وہ ہے جو تم اپنے آپ کو جانتے ہو۔ آدمی ساری دنیا سے دھوکا کر سکتا ہے پر اپنے آپ سے نہیں۔ انسان ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈال سکتا ہے، پر اپنی آنکھوں میں نہیں، دیر میرے سمجھنے اور نہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے، ہو سکتا ہے میں تمہیں بہت اچھا کرم دھرم والا نیک قول کا پکا جانوں اور تم ایسے نہ ہو، پھر تمہیں میری

یہ باتیں کوئی سُکھ نہیں دے سکتیں۔ اُلٹا دکھ ہوتا ہے جو سوتے جاگتے کسی گھڑی بھی چین نہیں لینے دیتا۔ آدمی دوسرے کو مار کر اُس کی لاش کو چھپا سکتا ہے۔ پر اپنا آپ تو مرا ہوا بھی اپنی نظروں سے نہیں چھپ سکتا۔ کیوں بھادو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔

دل کی تیز دھڑکن کے مارے مجھ سے بولا نہیں گیا، میرے منہ میں راکھ کا مزہ تھا۔ میں ہی نیچے کسی پاتال میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

کرتار سنگھ نے پھر کہا بھادو، تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ میں تجھے کیسا سمجھتا ہوں۔ رب رب کر میں تجھے کیسا سمجھ سکتا ہوں بھلا، کسی کی کیا ہستی ہے کہ دوسرے کو سمجھ سکے۔ میری نظروں میں تو تو میرا صاحب ہے، جیتن کا بھائی ہے۔ اور بڑا بھلا آدمی ہے۔

"میں نے کہا" اگر تجھے پتہ چلے کہ یہی بھلا آدمی قتل کرنے والا ہے، اپنے بھائی کو آپ مارنے والا ہے پھر"

جیسے تیر نشانے پر بیٹھا ہو، کرتار سنگھ کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر زمین پر گر پڑا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب ہو گئیں، وہ اس کی طرف ٹکٹکی باندھے بس دیکھتا ہی رہا اور زبان جیسے تالو سے لگ جائے اس سے ایک لفظ بھی بولا نہ گیا۔

میں نے زور سے اس کا کندھا ہلا کر کہا بول یار اب کیا کہے گا، بیس سال سے یہ بوجھ میں اپنے سینے پر لئے پھرتا ہوں، اور اب میں نے اسے تیرے سامنے اتار کر پرے پھینکا ہے۔ بول بتا اب کیا کہیگا۔ دیکھ لیا میں کتنا بھلا ہی ہوں؟"

کرتار سنگھ نے ہولے ہولے جیسے کوئی ہوش میں آ رہا ہو۔ میرا ہاتھ پکڑ کر کہا "نہیں بھاؤ تو جھوٹ کہتا ہے، تو صرف مجھے حیران کرنا چاہتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ یہ بات جھوٹ ہے۔ تو چیتن کو کیسے مار سکتا تھا۔

میں نے کہا اب میں تجھے کیسے یقین دلاؤں کہ میں نے ہی تیرے یار کو اُس آخری رات کسُم سر میں مارا تھا، میں نے، میں جو اس کا بڑا بھائی ہوں۔ سمجھتے ہو کرتار سنگھ، کبھی کبھی زندگی میں ایسی کٹھن گھڑیاں بھی آجاتی ہیں جب دو راہوں میں سے ایک پر چلنا ضروری ہوتا ہے اور میں نے اس گھڑی بڑی اندھیری اور کالی راہ اپنے لئے چنی تھی اب سمجھے۔

کرتار سنگھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ پر میں یہ بات کیسے مان لوں۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے۔ تم جھوٹ کہتے ہو، مجھے حیران نہ کرو۔

میں نے کہا، اچھا یہ بتاؤ اس آخری رات وہ کس سے ملنے گیا تھا۔؟

کرتار سنگھ اپنا سر پکڑ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ جیسے بُت ہو، سوئے ہوئے کبوتروں نے اپنی گردنیں پروں میں سے نکالیں اور غٹرغوں غٹرغوں کرکے پہلے نیچے نیچے چھتوں کے اوپر اوپر اُترتے رہے۔ پھر تیر کی طرح سیدھے اُڑ کر تارے کی طرح نیلے آکاش میں چکر لگانے لگے۔ اور پھر نظروں سے غائب ہو گئے۔ حویلی میں اور کچھ نہ تھا۔ کرتار سنگھ کی ڈنگر گھر بند ھتے تھے اور گھوڑیاں گڑھکو آپ دیکھ بھال کے لئے گھر کے ساتھ ایک خالی کوٹھے میں باندھتا تھا۔ اندر کی اناج سے بھری کوٹھریاں بند تھیں۔ دالان میں دو پلنگ پڑے تھے۔ اور لکڑی کے صندوقوں میں مہمانوں کے لئے شاید بستر بند تھے۔

بڑے سے آنگن کی نیچی دیوار کے باہر لگایا ہوا گوبر کا ڈھیر بہت اونچا تھا۔ پیپل کے اوپر ایک چیل اپنے پر سمیٹے بیٹھی کسی گہری سوچ میں کھوئی لگتی تھی میں اور کرنار سنگھ کتنے اکیلے تھے۔ زندگی کا کوئی نشان ہمارے گرد نہ تھا۔ میرا دل ایک دم ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ایسا ٹھنڈا اور آرام سے دھڑکتا ہوا کہ بیس سال پہلے کا صبر اور تسلی اب مجھے مل گئی۔ میرا جی چاہتا تھا اپنے ہلکے پرندے کی طرح کے پر مارتا اوپر ہی اوپر اڑ جاؤں۔

بڑی دیر کے بعد چیل نے اپنے پر پھیلائے اور اڑی پیپل کے پتوں میں شور ہوا۔ ایک کوّے نے زور سے کائیں کائیں کرکے پر سمیٹ کر غوطہ سا لگایا اور نیچے کوٹھے کی منڈیر پر آکر پھدکنے اور بولنے لگا۔

کرنار سنگھ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور کہنے لگا تو اس بھید کا تمہیں بھی پتہ تھا۔ میں ہی اکیلا انسان نہیں ہوں میں ہی چینن کے راز کو بیس سال سے نہیں جانتا۔ تم بھی جانتے ہو۔ تم اور پھر بھی تم نے اس رات کسم سر ہیں اُسے سلایا۔ میں آج تک یہ بھید نہیں بتا سکا تھا کہ چینن جیسا بہادر کس طرح ڈھے گا۔ وہ کون سورما تھا جو اُسے ہرا سکا۔ آج پتہ چلا ہے کہ یہ تم تھے۔ اور تم ہی بتاؤ بھلا چینن تمہارے آگے ہاتھ اٹھا سکتا تھا۔ بھاؤ تمہیں اس کی طرح کا دیر کہیں مل سکتا ہے۔ اوئے وہ آپ تیرے سامنے لیٹ گیا اُس نے اپنی جان آپ تیرے سپرد کر دی۔ اور پھر بھی تجھے ترس نہ آیا۔

میں نے زور زور سے کہا۔ تم غلط کہتے ہو کرنار سنگھ غلط اور جھوٹ کہتے ہو۔ میرا منہ بندھا ہوا تھا۔ اور رات اندھیری تھی۔ آکاش پر ایک تارا تک

نہیں تھا جگنو گی ۔ دشمنی بھی نہ تھی ۔ اُسے کیسے پتہ چل سکتا تھا کہ اُس پر حملہ کرنے والا میں تھا ۔ تم کتنی غلط باتیں کہتے ہو

کرتار سنگھ نے کہا ۔ کتنی بھولی باتیں کرتے ہو سردار جی ۔ اگر تم چیتن کے بھائی نہ ہوتے تو میں سوچتا تم پاگل ہو گئے ہو ۔ کیا اُسے تمہاری باس سے پتہ نہیں چل گیا ہو گا کہ اُس پر حملہ کرنے والا کون ہے ؟ کیا اُسے یہ پتہ نہیں لگا ہو گا کہ اس کا ماں جایا اس کا اکیلا بھائی چھری لئے اپنا منہ باندھے اسے مارنے آتا ہے ۔ اوئے چاہے کتنی بھی کالی بولی رات ہو بھائی بھائی کو پہچان لیتا ہے ۔ ساری دنیا کا خون ہی تیری طرح سفید نہیں ہوتا بھادو ۔

میں نے اس کا بازو زور سے پکڑ لیا ۔ اتنے زور سے کہ باوجود بہت بہادر ہونے کے میرا ہاتھ شکنجے کی طرح کا تھا ۔ میری انگلیاں اس کے گوشت میں گھستی گئیں ۔ اُس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور کہنے لگا ۔

میں نے سچی بات کی ہے ۔ سچی ۔ بیس سال کے بعد ٹھیک بات سننا بھی تمہیں بُرا لگتا ہے ۔ یہ دنیا اور اس کی خوشیاں یہ جھکا ہوا نیلا آکاش ۔ پیلی بڑتی دھوپ ۔ پیلے پتے گھر ۔ زمین کی خوشبو یہ اتنا کچھ تمہارا ہے ۔ اور تم نے اس کی ساری سندرتا ۔ آپ اپنے لئے رکھ لی اور چیتن کو دوسرے پار اُتار دیا ۔ زمین کے چار ٹکڑوں کے لئے تو نے یہ کیا غضب کیا بھادو ۔

میں نے اچھل کر اسے گلے سے پکڑ لیا ۔ جھوٹ کہتے ہو ۔ جھوٹ بکتے ہو ۔ میں نے اُسے زمین کے چار ٹکڑوں کے لئے نہیں مارا ۔ میرے اور اس کے درمیان وہ تھی ۔ وہ جس کا نام تم جانتے ہو ۔ میرے اور اس کے درمیان عورت تھی ۔

کرتار سنگھ نے سیدھے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا سردار جی کون عورت کیسی عورت؟ کوئی ہوش کی دوا کرو۔ میں تم سے زیادہ نہیں جانتا پر اتنا سمجھتا ہوں کہ اتنے سالوں ایک بوجھ کو سینے پر دھرے دھرے تمہارا دماغ پاگل ہوگیا ہے۔ اوئے اگر اس کے دل میں کسی کا ذرا سا وسواس بھی ہوتا کسی کا سایہ بھی اس کے دل کے کناروں کو چھو گزرتا تو وہ مجھے بتا دیتا۔ چھوڑ میرا گلا۔ اب آخر میں اپنے جی کی تسلی کی خاطر جتنے جھوٹ مرضی آئے گھڑ لو تمہیں چھٹی ہے۔

میں نے کہا تو کیا اس نے تمہیں نہیں بتایا کہ اُس آخری رات وہ کسم سر میں جنداں سے ملنے گیا تھا۔؟

کرتار سنگھ نے منہ کھول کر میری طرف حیرت سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر دہشت تھی اور ماتھے کی رگیں پھولی ہوئی تھیں۔

میں نے پھر کہا۔ اب میرا منہ کیا تکتے ہو۔ تمہیں نہیں پتہ کہ میں آخری رات جنداں سے ملنے کسم سر گیا تھا۔ کرتار سنگھ نے اسی طرح میری طرف دیکھتے ہوئے بولنے سے پہلے ہونٹوں کو زبان سے تر کیا۔ اور خشکی کا گولہ سا گلے کے نیچے اتارتے ہوئے کہا۔ جنداں یعنی تمہاری بیوی جنداں کو امر سنگھ کی ماں جنداں کو۔

ہاں میں نے اسی سرد مہری اور بے نیازی سے جواب دیا۔ وہی جنداں جو میری بیوی اور امر کی ماں ہے۔ یہی جنداں جو چیتنن کے بعد میں بیاہ کر لایا تھا۔ اب بھی مجھ سے پوچھو گے کہ میں اتنے سالوں سے کس آگ میں جل رہا ہوں۔

کرتار سنگھ نے بڑی نرمی سے میرے کرتے کی بانہہ پکڑ کر کہا۔ بھاؤ بیٹھ کر

بات کر۔ یہاں بیٹھ جا۔ ادھر میرے پاس بیٹھ جا۔ میرا تو سر گھوم رہا ہے پتہ نہیں یہ شراب کیسی تیزاب تھی۔

میں ہولے سے پلنگ کے دوسری طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ انسانی دل بھی کیا شے ہے۔ مجھ میں اب بولنے کی سکت نہ رہی تھی۔ اگر کوئی مجھے بانہہ ہلانے کو کہتا تو میں ہلا نہ سکتا۔ میرا دل ہر غصے اور رنج سے خالی تھا۔ جیسے کوئی کھنڈر ہو۔ میرا خون دل کے اندر اُس کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آتا اور پھر لوٹتا ٹھیک طرح سے پتہ چل رہا تھا۔ کیونکہ ایک ٹھنڈک سی میری رگوں میں بوجھل سی چل پھر رہی تھی۔ اور دل کے چاروں طرف سردیوں کی ہوا کا جھونکا کھنڈروں میں رونے والوں کی طرح ویران آواز سے بین کرتا معلوم ہوتا تھا۔ جیتن نہ تھا اور زندگی تھی جیتن کی طرح میں نہیں ہوں گا تو زندگی ہو گی۔ ساری دھرتی کتنی بڑی شمشان بھومی ہے۔ موت اس گھڑی مجھے بہت قریب جان پڑی میرے پاس کھڑی جیسے میں آواز دے کر اُسے بلا سکتا ہوں۔ کرتار سنگھ نے پھر کہا مجھے شروع سے بتا کیا بات تھی۔

میں نے کہا اور وہ بھید جو تم جانتے تھے اس کا کیا بنے گا؟

کرتار سنگھ نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ جانے دے تیرے بھید کے مقابلے میں وہ بھی بھلا کوئی بھید تھا۔ بچوں کا کھیل جیسا۔ اس کا کیا ہے پھیر میں وہ بھی تجھے بتا دوں گا۔ آج بیس سال کے بعد جب ہم آمنے سامنے آئے ہیں تو ایک دوسرے کو بہت کچھ کہنا سننا ہو گا۔ بہت کچھ بتانا ہو گا۔

شام کی ٹھنڈی ہوا اپنے ساتھ بادل لائی تھی۔ دبے پاؤں بادل

دھیرے دھیرے چل رہے تھے۔ آواز اور شور کئے بنا۔ دھوئیں کے اٹھتے
طوفان کی طرح جیسے پاس ہی کسی جنگل میں آگ لگ گئی ہو۔ نیچے نیچے ہوتے
ہوئے اور پھر اوپر کی طرف جاتے ہوئے۔ ایک دم ہمارے گرد شور سا ہونے
لگا۔ پیپل کے پتے جاگ اٹھے اور تیزی سے بوندوں کے ساتھ مل کر چلنے لگے۔
اندھیرا نیچے جھک آیا۔ میں نے اور کرتار سنگھ نے دونوں طرف سے پکڑ کر
پلنگ کو اندر کیا۔

دالان میں دیا جلا کر طاق پر رکھ کر کرتار سنگھ نے پٹ بند کر دیئے۔
کھیس کو اپنے گرد لپیٹ کر وہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا ہاں
اب کہو۔ تمہارے میرے واہ گرو ہے میں تجھ سے کچھ بھی جھوٹ نہیں کہوں گا۔
اور تم مجھ سے کوئی بات جھوٹ نہ کہنا۔ مرنے والا تمہارا بھائی تھا۔ اور میرا
بھی یار تھا۔ اور پھر یار بھی بڑا ہی پیارا یار۔

میں نے کہا سمجھ نہیں پڑتا کہاں سے شروع کروں۔ پر قصور ذرا ذرا
میرا ہی ہے۔ میں بڑا تھا کانیاں میں جنداں تھی۔ اور مجھے چیتن کا دھیان جانا
کبھی اچھا نہیں لگا تھا۔ کانیاں والا سردار میرے باپو کا بڑا پکا یار تھا۔
دونوں کے بیاہ بھی ساتھ ساتھ ہوئے تھے۔ یہ دوستی نسلوں سے چلی آئی
تھی۔ باپو مرا ہے تو سردار دوسرے چوتھے ہماری خیر سکھ منگا بھیجتا
اس کی بیوی جنداں کی ماں بھی ہمارے گھر آتی جاتی رہتی۔ اصل رونق
تو گھر میں اُن دنوں ہی ہوا کرتی تھی۔ جنداں کبھی آتی اس کے چھوٹے
بھائی بھی۔ ہم سارے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں۔ کھیل میں سدا

جنداں اور چیتن مجھے مات دیتے. آنکھ مچولی کھیلتے کوٹھوں کوٹھوں بھاگتے
چیتن کبھی ان کے پیچھے نہ پڑتا. اُسے کبھی نہ چھوتا. اس پر میری اُداس
کی اکثر لڑائی ہو جاتی. ماں اور ماسی ہماری صلح کروا دیتیں. مٹی کے
گھر بناتے اور کیچڑ میں کھیلتے ہماری لڑائی بس جنداں کے لئے ہی
ہو جاتی. جب ماسی چلی جاتی. ہم ماں کے ساتھ اکیلے ہو جاتے. تو چیتن
بڑی محنت سے میرے ساتھ کھیلتا. ہم اتنے پیار سے رہتے. کھانے والی
شے بانٹ کر کھاتے. آج بوڑھا ہوتا ہوا جب میں بیتے دن یاد کر رہا
ہوں تو وہ مجھے اپنے پاس کھڑا لگتا ہے. دوسرے لڑکوں کے ساتھ جب
ہم بھینس چرانے جاتے تو وہ ہر کسی سے میرے لئے ٹکر لینے کو تیار ہوتا.
اپنے حصہ کی روٹی بھی مجھے کھلا کر خوش ہونے والا چیتن میری جان اور
جگر تھا. پر جنداں سدا سے اس کے اور میرے بیچ میں تھی. یہ گرہ روز
روز بڑی سخت ہوتی گئی نہ کھلنے والی. مجھے جنداں بہت اچھی کبھی نہیں
لگی میں تمہیں آج بتاتا ہوں. میں نے جنداں کو کبھی نہیں چاہا. میری زندگی
میں عورت کی کوئی جگہ نہیں تھی. کم بولنے اور چپ رہنے والا. یاروں
سے بھی میں واجبی ہی بولنے والا. مجھے اپنی زمین اور کھیتوں گھر کے
دھندوں سے کبھی اتنا وقت نہیں ملا کہ کسی اور شے کا سوچ سکوں.
جب ذرا اونچا ہوا ہوں تو برادری والوں سے مقدمے کرتے کرتے
جوانی بھی ہاتھ سے نکل گئی. زمین کے ایک ایک ٹکڑے کھیت کے کنارے
اور دھرتی کے چپہ چپہ کے لئے مجھے جھگڑا کرنا پڑا ہے. شہر کے چکروں

عدالتوں اور مقدموں میں میں نے کبھی ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا۔ عشق کرنے اور عورتوں کے دل ہاتھ میں لینے کے لئے تو بھاؤ دولت چاہیئے۔ اور کھلی عمر چاہیئے۔ میرے پاس دونوں چیزیں نہ تھیں۔ پھر ماں کا مجھ پر اندھا وشواس بھی مجھے لے ڈوبا۔ اس نے چیتن کو کبھی کام کرنے کو نہیں کہا اور مجھے سدا بیل کی طرح ہل میں جوت رکھا ہے۔ میری ہڈیوں میں وقت سے پہلے ہی اب توانائی نہیں رہی کوئی دکھ اٹھانے کی سکت باقی نہیں رہی۔ ماں کے جی کا حال میں کیا جانوں پر جب چنداں کی ماں اور باپ سے رشتہ کی بات چھڑی ہے تو وہ چاہتی تھی کہ چنداں وہ چیتن کے لئے دے دیں۔ ان دنوں میں دیکھتا ماں اور چیتن ہولے ہولے باتیں کرتے رہتے۔ جب باہر سے آتا تو ماں اور چیتن کو باتیں کرتا ہی دیکھتا پتہ نہیں وہ دونوں کیا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کبھی مجھ سے کچھ نہیں کہا۔

پھر دونوں طرف سے شگن اور شبھ لگنیں ہوئیں۔ چنداں کی اور میری منگنی ہو گئی۔ میں نہ خوش تھا اور نہ ہی ناراض۔ اگر چنداں نہ ہوتی کوئی اور عورت ہوتی مجھے تو زندگی گذارنی تھی۔ عورت کا روپ میرے لئے کبھی کوئی خوشی نہیں لایا۔ میلوں میں میں نے کبھی عورتوں کو نہیں گھورا۔ میں نے کبھی گاؤں کی لڑکیوں سے کوئی باتیں نہیں کیں۔ کبھی کسی کا پیچھا نہیں کیا۔ کبھی چھپ کر کسی سے نہیں ملا۔ میری زندگی اتنی سیدھی ہے اور اب جب سوچتا ہوں اس میں عورت کے روپ کا رنگ

ہوتا تو شاید کبھی اسے ہنسی بھی میرے سالوں میں اپنا رنگ لگا جاتی۔

پر یار کرتار سنگھ تو ہی بتا اگر مجھے کسی مٹیار کا روپ اور بچپن اپنی طرف کھینچ نہیں سکا تو پھر مجھے چیتن کا کانیاں جانا کیوں بُرا لگتا تھا۔ یار آدمی کو اپنے دل کا بھی تو پتہ نہیں چلتا نا۔ آج بھی دل کے اندر ڈھونڈتا ہوں کہ کہیں اس میں جنداں کی چاہت تو نہ تھی۔ پر اندر سے کبھی کوئی ایسی آواز نہیں آئی۔ مجھے آج تک کسی عورت نے کبھی پیار سے نہیں دیکھا۔ سچ کہتا ہوں۔ دل کے کھنڈر میں صرف مقدمہ ہوں اور اپنی جیت کی یاد ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

پر جب ایک بار ماں نے مجھے جانے کا کہہ کر فوراً چیتن کو کانیاں بھیج دیا تو مجھے ایسے لگا جیسے یہ دونوں مجھ سے چوری چوری میرے گرد کوئی جال پھیلا رہے ہیں۔ مجھ سے چھپ کر میرے خلاف کوئی ایسا کام کر رہے ہیں جو انھیں کرنا نہیں چاہیئے۔ اُس شام چیتن بہت دیر سے پلٹا۔ خوشی کی رونق اُس کے چہرے پر تھی۔ میں تھک کر لیٹا ہوا تھا۔ اور نیند کچھ کچی ہی تھی جب ماں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دیے کی لو بڑی مدھم تھی۔ ماں نے اُسے اونچا کیا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ چیتن نے آنکھیں جھکا لیں اور پلنگ پر میری طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گیا۔ اور ہولے ہولے ماں سے کہنے لگا "کیوں ماں بھادو سو گیا ہے کیا"؟

ماں نے کہا "ابھی لیٹا ہے تو تو سنا۔ جس کام سے گیا تھا۔ کانیاں میں سب خیر سکھ تو ہے۔ میں نے تو تجھے دوپہر سے پلٹ آنے کو کہا تھا۔ اور

تھے تو آدھی رات کر دی ہے۔ کاکا راہ میں سو طرح کے ڈر ہوتے ہیں مجھے تو آرام نہیں آتا تھا۔ ماں ہر گھڑی دروازہ دیکھتی تھی۔ اس طرح نہ کیا کر۔"
چیتن نے کہا ماں میں ذرا اپنے ایک یار کے گھر چلا گیا تھا۔ بس اس لئے ذرا دیر ہو گئی۔ تو کیوں وسواس کرتی ہے۔ میں کوئی بچہ ہوں۔ جو گم ہو جاؤں گا۔

ماں نے کہا "کاکا ہولے بول تیرا ویر ابھی سویا ہے۔ اسے اکیلے کو سارا دن اپنی ہڈیاں پیسنی پڑتی ہیں۔ اور تو بھائی کے سر پر میلوں۔ ٹھیلوں۔ دوستوں تماشوں میں گھومتا رہتا ہے۔
چیتن نے جواب دئے بنا دودھ کا کٹورہ پی لیا۔ پھر منہ میں گن گناتا۔ کپڑے اُتار کر لیٹ گیا۔

اس ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ آخر بات کیا تھی۔ ماں نے اُسے کانیاں بھیجا تھا۔ وہ اتنی دیر سے پلٹا تھا پر اُس نے اتنا بھی تو نہیں کہا کہ وہاں سب خیر سکھ ہے آخر وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ ماں اور چیتن دونوں گیا کرنا چاہتے ہیں۔ کیوں یار کرنار سنگھ اگر کوئی تمہارے ساتھ ایسا کرے تمہیں لگے کہ تمہارے گھر میں ہی تمہیں دھوکا دیا جا رہا ہے۔ تو تمہارا کیا حال ہو
کرنار سنگھ نے کہا "یہی تو ساری خرابی کی بات ہے۔ تمہیں نہیں پتہ تھا نا کہ وہ کیا کر رہا تھا۔ مارے لحاظ کے اُس نے تم سے کبھی کوئی بات نہیں کہی نا۔ وہ دریا پار ریاست والوں کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ اور آدھی آدھی رات کو اُن لوگوں سے ملنے اور سامان لینے جایا کرتا تھا۔"

میں نے کہا قسم اٹھاؤ۔

کرتار سنگھ نے اپنے ہاتھ اٹھا کر آکاش کی طرف کرتے ہوئے کہا۔
میں رب کی قسم کھاتا ہوں جس کے ہاتھ میں ہم سب کی جان ہے کہ یہی بات تھی جس کا تمہیں کبھی پتہ نہ چل سکا۔"

میں نے کہا چلو یہی سہی۔ تم نے قسم اٹھائی ہے تو میں مان لیتا ہوں۔ پر جنداں سے بھی وہ ضرور ملنے جایا کرتا تھا۔ اور اس بات کا اگر تم کو پتہ نہیں تو کسی کو بھی پتہ نہیں ہو سکتا۔

کرتار سنگھ نے پلنگ سے اٹھ کر کہا۔ دیکھ بھادو اگر تو مجھے سچا نہیں جان سکتا تو خیر تیری مرضی پر میں اگر جھوٹ بولوں تو یہ دیے کی لاٹ میرا ہاتھ جلا دے۔ اور اس نے لو کو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان پکڑ سا لیا۔ "بول" اُس نے پھر کہا جب تک تو نہیں کہے گا میں اس کو نہیں چھوڑوں گا۔

میں نے کہا یار اب چھوڑ دے جانے دے۔ میں نے تیری بات مان لی۔ دل کی ساری باتیں کون کسی کو بتاتا ہے جیتن نے بھی تجھ سے یہ بھید کبھی نہیں کہا ہوگا۔

کرتار سنگھ کہنے لگا۔ بیس سال بیت گئے ہیں۔ جیتن کی ہڈیاں بھی اب مٹی میں مل چکی ہیں مجھے اس پر کوئی رنج نہیں۔ اگر اس نے یار ہوتے ہوئے بھی مجھ سے کوئی بات چھپائی تو میں اُسے بخش دیتا ہوں دل پر کسی کو اختیار نہیں ہوتا بھا: د۔۔

میں نے کہا بیٹھ جاؤ۔ میں وسواسی آدمی نہیں ہوں کہ یونہی شک کرنے

لگوں۔ دوسری صبح میرا غصہ کم تھا۔ اور پھر جب چیتن نے ہنس کر کہا "بھا دو رات ذرا اپنے ایک یار کے گھر چلا گیا دیر ہو گئی" اور پھر بچوں کی طرح میری طرف دیکھنے لگا تو میں نے اس کا قصور بھلا دیا۔ مجھے پرانے دن یاد آ گئے جب جنداں کیلئے میں اور وہ جھگڑ پڑتے تھے اور جنداں کے چلے جانے کے بعد پھر ایک ہو جاتے تھے۔

تھوڑے دنوں بعد پھر یہی ہوا۔ وہ آدھی رات کو پلٹ کر آیا۔ میں اور ماں اپنی اپنی جگہ جاگ کر اس کا انتظار کرتے رہے تھے۔ ماں یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کیا کرتا ہے اور میں ان جانے ہی۔ اس رات میں نے اپنے جی میں سوچ لیا کہ اب میں اسے کھوجنے جایا کروں گا اس کا پیچھا کروں گا وہ جوان ہے تو کیا ہے۔ میں اس سے بڑا ہوں اور پھر کانیاں میں جنداں تھی۔

میں ماں کا بھیجا کئی بار کانیاں گیا ہوں۔ پر نہ تو کبھی دروازے کی اوٹ سے جنداں نے مجھے جھانکا تھا اور نہ ہی چوری چوری کوٹھے پر چڑھ کر میری طرف دیکھا۔ گھر پر جاتا تو وہ ادھر ادھر ہو جاتی۔ ماسی مجھے بیٹھا کر لسی پانی کو پوچھتی اور پھر میں چلا آتا۔

کرتار سنگھ نے کہا "تم نے کبھی کوئی ایسی بات دیکھی تھی۔ جس سے تمہیں یقین ہو گیا ہو کہ وہ کانیاں جا کر جنداں سے ملتا تھا؟"

میں نے کہا "اصل میں یہ سلسلہ بہت دنوں نہیں چلا۔ شروع بھی ڈھنگ کا نہیں ہوا تھا کہ آخر آ پہنچا۔ میں چیتن کا پیچھا باوجود سوچنے کے کبھی نہ کر سکا۔ وہ بہانے ہی ایسے لگاتا تھا اور پھر ہنس کر بات یوں کرتا تھا کہ تم سوائے معاف کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔"

کرتار سنگھ نے کہا "تم چیتن کو بہت نہیں جانتے بھا دو۔ اس نے

اپنی جان کو کیسے کیسے خطروں میں پھنسا کر دوستوں کا ساتھ دیا ہے۔
اصل میں وہ تم سے دبتا بہت تھا۔ ہم لوگوں سے ملتا تو کہتا یار آ تو جاتا ہوں
پر گھر میں گھسنے پر بھادو کے خوف سے جان نکلی رہتی ہے۔ ہم اُسے
چھیڑتے اُسے چڑاتے۔"

میں نے کہا۔ چیتن کی اور میری تو تو میں میں کبھی نہیں ہوئی۔ میں نے
اُسے کبھی ڈانٹا نہیں۔ یوں اُس کا مجھ سے ڈرنا بھی واجب تھا۔ میں اس کا
بڑا بھائی تھا۔ باپ کی جگہ۔ تمہیں نہیں معلوم میں نے ساری سردیاں گرمیاں
اپنے پر برداشت کی ہیں۔ پر اُسے کبھی دُکھ نہیں ہونے دیا۔ مجھے یہ کبھی پتہ
نہیں چل سکا کہ وہ ریاست والوں کے ساتھ سازباز کرتا تھا۔ جانے کس
نے چیتن کو اس راہ پر لگایا تھا۔ چیتن میں اب تو کوئی ایسی بات نہ تھی۔
کرتار سنگھ نے کہا۔ اس کام پر اُسے کسی نفع خوری اور فائدے
کی امید نے نہیں لگایا تھا۔ اب جب تم پوچھتے ہو تو بتا ہی کیوں نہ
دوں۔ تم نے ٹھاکر کا نام تو سنا ہو گا نا۔ بھئی وہی ٹھاکر جس کے سر کے
لئے پولیس والوں نے دس ہزار کا انعام دینے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ جن دنوں
ہم سب جوان تھے اور اپنے آپ کو بہت سورما سمجھتے تھے۔ ٹھاکر گاؤں گاؤں
ڈاکے ڈالتا تھا۔ یہی سنا جاتا تھا آج وہ یہاں تھا اس جگہ تھا۔ اُس کے گھر
اُسے اُس کھیت میں چرا رہے تھے وہ اس آدمی کو اتنے ہزار روپے
دے گیا۔ چیتن اور میں دونوں اُسے دیکھنے اور ملنے کے موقعے ڈھونڈتے
میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا تھی کہ میں ٹھاکر سے ملوں۔ پھر ایک

دن ہم دونوں نے جما سے کی دھوپ میں جب برسات کی بھری دوپہر میں درخت اور کھیت گرم سانس سے تپ رہے تھے۔ اُسے کانیاں سے رہنے والا کی طرف آتے دیکھا۔ بس یار کیا بتاؤں وہ کتنا لمبا اونچا اور سوہنا جوان تھا۔ نہر کی پٹڑی پٹڑی ہولے ہولے۔ اُس نے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی چھوڑ رکھی تھیں۔ پستول آگے رکھی تھی۔ اور اس نے آنکھوں کے نیچے سارے منہ کو کپڑے سے لپیٹ رکھا تھا۔ میں اور چیتن اُس دن اپنے باغ میں آم کھا کر لیٹے ہوئے تھے۔ کوئل درختوں میں کبھی کوہو کوہو بولتی اور خاموش دوپہر میں اس کی ہوک دور تک گونج بن کر پھیل رہی تھی۔ ٹنڈے چر چر چر چر شام کی ہوا میں بولنے والے اس وقت بھی بول رہے تھے۔ لیٹے لیٹے میں نے کہا چل یار ذرا منہ دھو آئیں۔ پہلے تو چیتن کروٹ بدل کر سونے کا بہانہ کرنے لگا۔ پھر اٹھ کر میرے ساتھ آ گیا۔ دور سے ہم نے ایک چمکتے گھوڑے کو دیکھا۔ ایسا اچھا جانور دور دور تک کہیں نہ تھا۔ ہم آنکھوں پر ہاتھ کر کے دھوپ کے رخ کھڑے پانی اور منہ دھونے کا خیال چھوڑ کر اُسے دیکھتے رہے۔

میں نے چیتن سے کہا یار میرا دل کہتا ہے یہ ٹھاکر ہو گا۔ گھوڑا ہمارے قریب آ رہا تھا۔ جب گھوڑا ہمارے برابر آیا اور پستول کا رخ ہماری طرف دیکھا تو میرا دل کانپ گیا۔ پر چیتن نے کڑک کر کہا۔ "میں تمہاری پستول سے نہیں ڈرتا۔ ٹھاکر گولی بے شک مار دو پر یہ مردوں کا دستور نہیں مجھے معلوم تھا چیتن کی آنکھ میں ایک دل کو موہ لینے والی طاقت ہے۔ اُس کی آواز میں

ایک گرج تھی۔ ٹھاکر نے گھوڑا کھڑا کر لیا اور کہنے لگا۔

تمہاری قسمت اچھی ہے جوان۔ پر یہ تو بتاؤ تم کون ہو۔ آج تک لوگ مجھ سے ڈر کر بھاگ ہی گئے ہیں۔ میری راہ چھوڑ کر الگ ہوئے ہیں۔ تم کون ہو۔

اور اس جگہ چیتن کی اور ٹھاکر کی ملاقات دوستی میں بدل گئی۔ ٹھاکر کی طرح قول کا پکا آدمی میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ وہ بہادر تھا اور بہادر آدمی بزدل نہیں ہوتے۔ اس نے کبھی پیچھے سے کسی پر حملہ نہیں کیا کبھی کسی کو بنا غرض کے نہیں مارا۔ ٹھاکر بڑا بھلا آدمی تھا۔ بھادو۔ اس کی نظر میں نرمی تھی اور بول میں ایک مٹھاس۔ وہ دھوکا دینے والا اور جھوٹ کہنے والا آدمی نہیں تھا۔ ٹھاکر ٹھاکر جیسے آدمی کبھی ایک جگہ سما نہیں سکتے۔ ان کے لئے زمین بھی کم ہوتی ہے اور آکاش اوندھے پیالے کی طرح ہوتا ہے۔ وہ بازو کھول کر سوچتے ہیں کہ ایک سے دوسرے کنارے تک ساری دھرتی کو بیس کر رکھ دیں ان کی نظر کسی شے سے نہیں بھرتی۔ ٹھاکر غریب آدمی نہیں تھا۔ اس کے گاؤں کے کھیت تھے۔ اس کی بیوی تھی بچے تھے۔ بڑا امن اور شانتی سے رہنے والا آدمی سرکار کے خلاف ہو جائے اور پولیس سے پوچھتا اُن سے ٹکر لیتا پھرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی زندگی کا امن اسے پسند نہیں۔ ٹھاکر کی رگوں میں ایک بجلی تھی۔

چیتن سے ہنس کر کہنے لگا یار جوان آدمی ہو برسات کے دنوں میں جب دوپہریں کچھ کرنے کے لئے ہوتی ہیں تم لوگ کوئل کی کوک سنتے اور لیٹے

رہتے۔ کیا اس امن سے تمہارا جی نہیں بھرتا۔ باہر نکلو اور دنیا کو دیکھو۔ اپنی ہمت کو آزماؤ، اپنے بازوؤں میں جتنا بل اور طاقت ہے۔ اس کو پرکھو۔ یار تم آدمی ہو!

پھر چیتن اور ٹھاکر نے ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پرانے یاروں کی طرح اکٹھے مرنے مارنے کا قول کیا اور ٹھاکر اپنے راہ پر چلا گیا۔ مجھ سے ٹھاکر نے کوئی بات نہیں کی۔ اور میں یوں بھی ڈرپوک آدمی ہوں جلد گھبرا جانے والا اور امن سے رہنے والا۔ مجھے حویلی میں رہنا اور اپنے کھیتوں کے کناروں پر گھومنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ میں تو کسی بھی ہنگامے سے گھبرا جاتا ہوں۔ یہاں تک کے برات کے ساتھ جاتے بھی میرا جی الجھتا ہے اس کے بعد چیتن جیسے بدل سا گیا ہو۔ میری اور اس کی یاری میں پر کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ آتا تو ہم اکٹھے حویلی میں شراب پیتے اور گرو باتیاں گاتے۔ یاروں کے ساتھ ناچتے اور پھکڑ بازی بھی کرتے۔ وہ مجھ سے کبھی ٹھاکر کی بات نہ کرتا۔

پھر ایک شام وہ آیا روز سے زیادہ چپ اور ذرا ذرا اداس تھا مجھ سے کہنے لگا۔ دریا تک چل سکتے ہو میں اور ٹھاکر آج رات اُدھر سے گھوڑے اوپر لانے والے ہیں۔ میں نے کہا اداس کیوں ہو۔ کہنے لگا گولی مارو میں اداس کیوں ہوتا۔ آج سارا کام ٹھاکر نے میرے سپرد کیا ہے۔ ذرا گھبرا رہا ہوں میرا ایک طرح سے وہ امتحان لے رہا ہے۔

میں نے کہا آج تک تم اور ٹھاکر جو کچھ کرتے ہو مجھے تو پتہ نہیں چلتا اور تم مجھ سے کبھی کچھ کہتے بھی نہیں ہو پر۔ پھر آج بھی میں نہ جاؤں تو تمہارا

کیا جائے گا۔ کسی اور یار کو لے جاؤ۔

چیتن اُس رات مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے گیا۔

رات اتنی کالی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ بھی نہ دکھے۔ اور پانی کا بہاؤ اس جگہ بہت زور کا تھا جہاں ہم نے اپنی گھات بنائی تھی۔ یوں ہوتا تھا کہ آدھے دریا تک ہمارا آدمی جاتا اور آدھے تک اُن کا آدمی آتا۔ چیتن ویسے تو بڑا بہادر ہے پر پانی سے اُسے بہت ڈر آیا کرتا تھا۔ تمہیں معلوم ہے نا۔ وہ ہمارے ساتھ کبھی نہر میں نہیں نہایا۔ کبھی بھینس کو لے کر جوہڑ میں بھی نہیں اُترا۔

پولیس کو کسی طرح ہمارے ارادے کی خبر ہو گئی تھی۔ اس رات ایک پوری گارد ہمارے پیچھے کھوج میں تھی۔ جب مال لے کر ہم آدھے راہ میں تھے تو کنارے پر روشنیاں ہوئیں۔ دھائیں دھائیں بندوقیں چلیں اور شور کی آوازیں پانی کے اوپر سے ہماری طرف آنے لگیں۔ چیتن نے کہا بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ کسی نے ہماری مخبری کی ہے۔ پر اب تو میں اس کام کو بیچ میں نہیں چھوڑ سکتا۔ منجدھار سے تھوڑا اوپر پانی اور آکاش کے درمیان دھرتی سے دور تم جانتے ہو ہم پر کیا گزری ہو گی۔ میں نے کہا کسی طرح لوٹ چلو۔ کسی اور جگہ جا کر پار اتریں گے مگر چیتن نے کہا "کنارے پر بیٹھے یاروں کا پتہ نہیں کیا حال ہو گا۔ موت کے منہ میں جانا ہی سہی۔ پر میں ان لوگوں کو پیٹھ نہیں دے سکتا۔ یہ واہ گرو کا اپنا ہاتھ ہی تھا جس نے چیتن کو بچا لیا۔ پولیس کی گولیاں بارش کی بوندوں کی طرح سن سن کرتی ہمارے اوپر سے اور پاس سے گزر رہی تھیں۔ تمہیں بتاؤں بھادو اس رات

مجھے پتہ چلا کہ خطرے کے منہ میں جینا بھی اپنا الگ مزہ رکھتا ہے۔ جب ہر طرف سے تیر برس رہے ہوں اور موت کا کسی گھڑی بھی آنا یقینی ہو۔ دوسرے پل کا اعتبار نہ ہو تو دل میں کوئی تمنا نہیں ہوتی۔ آنے والی گھڑی کی کوئی آس نہیں ہوتی۔ سارے ناتے اتنے پیارے سے لگتے ہیں اور چھٹنے کے قریب ہوتے ہیں۔ میں نے چیتن میں وہ شان کبھی نہیں دیکھی۔ وہ گولیوں سے بچتا۔ بڑے امن سے آ رہا تھا۔ یہ پتہ ہوتے ہوئے کہ کنارے پر موت اس کا انتظار کر رہی ہے، وہ بڑھتا آ رہا تھا۔ اور پہلی بار مجھے لگا کہ موت سے ٹکر لینے میں کوئی نہ کوئی تو شان ہے، کچھ تو بڑائی ہے۔

ہمارے سارے ساتھی اِدھر اُدھر بکھر چکے تھے۔ چیتن سیدھا اس طرف گیا جہاں ہمارے دوست تھے۔ وہ بکھر کر اور چھپ کر پولیس کا مقابلہ کر رہے تھے۔ خطرے میں بھی چیتن یوں آرام سے ہر کام کر رہا تھا۔ جیسے اُسے کھیت میں ہل چلانا ہو۔ کالی اندھیری رات نے ہمارا ساتھ دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی اور طاقت ہم کو اپنے ساتھ لئے جاتی ہے۔ جب ہم اپنے دو زخمی ساتھیوں کو گھاس سے بھرے گٹھے میں چھپا کر لا رہے تھے۔ اور خود ایک راہ کے گاؤں میں چھپے تھے۔ پولیس نے ہمیں پھر گھیر لیا۔ یہ باتیں بہت پرانی ہیں، پر خون میں وہ گرمی کہیں سے اب بھی آ جاتی ہے۔ جب یاد کرتا ہوں کہ اس رات اگر ہم ایک قدم پر نہ بچتے تو اب ہم میں سے کوئی بھی نہ ہوتا۔

وہ چپ ہو گیا جیسے باقی باتیں سوچ رہا ہو۔ یادوں کے اندھیرے میں سے ٹٹول کی روشنیاں الگ کر رہا ہو۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کے

نہیں دور دیکھنے کے خواب سے نکلے۔ شاید وہ چینتن کو اوم اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ رہا تھا۔ جو مختلف وقتوں میں ہوتے ہوئے الگ ہوئے بچھڑ گئے۔ اور اب ان کی شکلوں کا کوئی سایہ بھی دماغ میں نہ تھا۔

بادلوں کا شور نہیں تھا۔ گرج نہیں تھی۔ بس ایک گھٹن سی تھی۔ جیسے کھل کر رونا چاہنے پر بھی رو نہ سکیں۔ دیا ہوا کے جھونکوں کے ساتھ بجھنے والا ہو جاتا اور پھر تو ایک دم بھڑک اٹھتی۔ میں ہر لمحے یہ سوچتا تھا کہ ابھی ہم دونوں سیاہ اندھیرے میں رہ جائیں گے۔ مگر دیا جلتا ہی جاتا۔

کرتار سنگھ نے کہا۔ بھاؤ مجھے اس سے زیادہ کچھ پتہ نہیں ہے کہ جان کو خطرے میں ڈال کر پھر اسے بچانا اور دوسرے نئے اور انوکھے خطروں کے لئے تیار رہنا یہ ہم دونوں کے لئے کسی عورت کے عشق سے زیادہ دل دھڑکانے والی زندگی تھی۔ ٹھاکر کو میں نے کبھی خوش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے سدا چینتن کا ساتھ دیا ہے۔ یوں کہ دوسرے کان کو کبھی خبر نہیں ہوئی۔ جب راتوں کو جاتے تو ماں بے چین سی ہو کر پوچھتی رہتی۔ اُسے تسلی دینے کے لئے نت نئے بہانے ڈھونڈنے پڑتے تھے۔ اُلٹے سیدھے جواب دینے ہوتے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر اُس آخری رات بھی میں اُس کے ساتھ چلا جاتا۔

کیا سردار تم دونوں اکٹھے جاتے تھے۔ میں نے کچھ دیر چپ رہ کر پوچھا۔

نہیں جب چینتن کو ٹھاکر سے ملنا ہوتا۔ دریا پار سے اس کے سنگھی

ساتھی آتے اور کسم سر کے قریب جنگل میں حساب کتاب ہوتا۔ تب میں اُسے اکیلے جانے دیتا۔ میں ٹھاکر کے قد اور اس کے رعب سے ڈرتا نہیں تھا۔ پھر اپنی اپنی مرضی ہوتی ہے۔ مجھے ہر گھڑی اپنے کو خطرے میں ڈالنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ میری طبیعت میں ایک سستی سی ہے۔ جو تم آتما کی کاہلی کہہ سکتے ہو۔ میں خواب دیکھتا اور جاگتے میں اپنے سامنے سپنے بنتا اچھا جانتا ہوں۔ رات رات جاگ کر گزار دیتا ہوں۔ تارے گنتا۔ چاند کو دیکھنا، آکاش کو یونہی تکتے جانا۔ مجھے اچھا لگتا ہے اس راہ پر میں اور چیتن ساتھ نہیں چلے۔"

وہ چپ ہو گیا اور دیئے کی لو کو تکتے تکتے جیسے کھو سا گیا۔

پھر جیسے اُسے ایک دم کچھ یاد آیا ہو کہنے لگا "تم نے وہ بات تو بتائی ہی نہیں کہ جنداں اور چیتن پر تمہیں کیسے شک ہو گیا تھا۔" اس کی آواز اتنی ٹھہری ہوئی تھی جیسے ٹھہرے پانی پر کشتی ہو۔ لگتا تھا اس کا دل کسی بھی خیال سے خالی ہے۔ دکھ سے بھی اور سکھ سے بھی۔ جیسے اس نے یونہی کہنے کو ایک بات کہہ دی ہو۔

اور تب مجھے پتہ چلا کہ ابھی تک وہ سوال باقی ہے۔ چیتن اور جنداں کا جس نے بیس سال تک میری زندگی کو نرک بنائے رکھا تھا۔ اُس رات کسم سر میں جنداں اگر اسے نہیں ملنے آئی تھی تو پھر وہ کون تھا؟

میرا دل چیتن کے لئے رونے لگا۔ کئی دکھ کبھی بھی پرانے نہیں ہوتے۔ میں نے کہا تمہاری کہانی کے بعد تو ایسا ہی لگتا ہے کہ میں نے چیتن کو یونہی بنا کسی قصور کے مار دیا۔ پھر بھی یہ سمجھ نہیں پڑتا یار کہ کسم سر میں اس

رات چیتن کیا کرنے گیا تھا؟

کرتار سنگھ نے کہا۔ اس رات ہم دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ ٹھاکر کا اس کا کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے جان کے لاگو ہو رہے تھے۔ دونوں بہادر تھے۔ اور دونوں آمنے سامنے کبھی نہیں آنا چاہتے تھے۔ ان کو دھن کی پروا نہ تھی۔ بس ایک ساتھی کے زندہ رکھنے اور مارنے کا سوال تھا۔ ایک آدمی نے ان کی مخبری کی تھی۔ ٹھاکر اُسے جان سے مارنا چاہتا تھا اور چیتن کہتا تھا یار رہنے دو کسی کی جان لے کر کیا ملتا ہے۔ اگر ایک آدمی کو تمہاری راہ پر نہیں چلنا تو نہ سہی۔

ٹھاکر نے کہا: "یہ عزت کا سوال ہے۔ غیرت کا سوال ہے۔ ہمارا دھرم ایک ساتھ مل کر چلنے میں ہے۔ چاہے جان سے گذر جائیں۔ پر بھید سینے میں موتی کی طرح بند رہنا ہے۔ ایسا انسان زندہ رکھے جانے کے قابل نہیں جو دوستی نبھانا جانتا ہو اور نہ دشمنی"۔ ٹھاکر کی ایک عادت ہے۔ وہ اپنی راہ سے پہاڑ بھی ہٹا دینے والا ہے۔ اُسے چیتن کی یہ ضد پسند نہ آئی۔ اور پھر چیتن تھا بھی تو اس کے بیٹوں کے برابر۔ بچہ سا۔ وہ کس طرح برداشت کرتا کہ چیتن اُس کے مقابلے میں آئے۔ انسان کے اندر کئی کالے بھورے ہیں جن میں اس نے خود بھی کبھی نہیں جھانکا۔

"بھادو"

میں نے کہا ہاں کرتار سنگھ تم ٹھیک کہتے ہو یہ کالے نشان پھیل کر کبھی کبھی ساری زندگی پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ کرتار سنگھ کچھ سوچتا ہوا سا کہنے لگا۔

ٹھاکر میں کوئی بڑائی نہ تھی بس ایک بات تھی۔ وہ اپنے مقابلے پر کھڑے انسان
کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"کوئی بھی اپنے مقابلے پر کھڑے ہوئے آدمی کو نہیں سہار سکتا۔ دیکھا تم نے اس میں ٹھاکر
اور میں اور تم سب برابر ہیں کرتار سنگھ" میں نے جیسے اپنے اندر کسی شے کو سہارا دیتے ہوئے کہا
"ہر ایک اپنی راہ کو پسند کرتا ہے اسے اچھا سمجھتا ہے اور کسی سے اس کی برائی سننا پسند نہیں کرتا۔"

"پر پھر بھی اس بات کو کس طرح بھلا دوں کہ جنداں اور چیتن اس رات کسم سر
میں ملے تھے۔ کسم سر کانیاں سے کوئی سو کوس تو ہے نہیں۔ لڑکیاں بالیاں رات کو ناچنے
گانے باہر آئیں تو یہی کوئی ایک میل دور تو کسم سر ہوتا ہے۔" "ارے مجھے کیا بتاتے ہو بھادیہ مجھے
کسم سر یوں یاد ہے جیسے اپنے پیارے چیتن کی میری یاری ہی کسم سر سے شروع ہوئی
تھی میلے پر درختوں کے جھنڈوں میں بیٹھے ہم نے پہلے پہل مل کر آم کھائے تھے دیسی شراب
پی تھی۔ اور لوگوں کو دھکے دیتے رونق میں گھومتے رہے تھے۔ چیتن کے چہرے پر کوئی شے
تھی جس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔"

"یہ گورکھ دھندا کیا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"تم اپنے جی کی تسلی کے لئے یہ بات کہنا چاہتے ہو نا کہ اس رات جنداں
کسم سر میں چیتن سے ملی تھی۔"

میں نے کہا — "اب تو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ وہ تمہارا سب سے پکا یار تھا۔
اس رات جانے سے پہلے تمہارے پاس تھا۔ تم سے صلاح کرتا رہا تھا۔ میں نے
اس رات اس کا پیچھا کرنے کے لئے نہیں، یونہی سوچا تھا کہ کانیاں جاؤں گا
پتہ نہیں کیوں میرا دل چاہتا تھا۔ میں ایک نظر جنداں کو دیکھوں۔"

"اور پھر بھی تم کہتے ہو کہ تمہیں کوئی عورت کبھی اچھی نہیں لگی۔"

"نہیں میں سچ کہتا ہوں کرتار سنگھ! اب ایک عمر گزرنے کے بعد میں تمہیں سچ بتاتا ہوں۔ مجھے کوئی عورت کبھی اچھی نہیں لگی۔ جنداں بھی نہیں اور نہ ہی کوئی اور۔ وہ گانٹھیں جو کسی کو چاہنے سے کھل جایا کرتی ہیں میرے اندر سمار ہی ہیں۔ میں نے اپنے سے بڑھ کر کبھی کسی کو نہیں جانا۔ چیتن کو بھی نہیں امر کو بھی نہیں۔ اس رات جنداں کو دیکھنے جاتے ہوئے میں نے جی میں یہ نہیں سوچا تھا کہ میں اسے دیکھ کر اپنا جی خوش کروں گا۔ بس یونہی اس کے چہرے پر دیکھ کر اس سچ اور جھوٹ کو سمجھنا چاہتا تھا!"

"کون سا سچ اور جھوٹ!" کرتار سنگھ نے اپنے سے سوال کیا۔

"یہی کہ جنداں اور چیتن کے درمیان کوئی بات ہے کہ نہیں۔"

"تمہیں کیا پتہ تھا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات ہے؟" کرتار سنگھ نے جلدی سے کہا "تم تو اندھیرے میں چھلانگ لگا رہے تھے!"

"چیتن کا آپ ہی آپ ہنستے رہنا۔ سیٹیاں بجاتے رہنا۔ اور جنداں کے نام پر ادھر ادھر دیکھنے لگنا۔"

"اچھا!" کرتار سنگھ نے صرف ہولے سے کہا۔

"اس رات کسم سر میں اندھیرا ابھی نہ تھا۔ اور نہ ہی کھلی ہوئی چاندنی تھی۔ میرا دل تیسرے چوتھے دن کے چاند کی روشنی میں ہولے ہولے گھٹ رہا تھا۔ میں گھوڑی کو کھیتوں کی منڈیروں پر چلاتا لاتا تھا۔ ہوا میرے گرد ذرا ذرا دیر کے بعد ٹھنڈی سانس سی بھر کر چپ ہو جاتی تھی۔ سرسر کر کے

فصلوں کے اوپر سے بہتی ہوئی مجھ سے آ کر ٹکرا جاتی۔ آکاش پر چاند کا پیارا ٹکڑا ڈوبتا ہوا لگتا تھا جیسے پرانے سپنوں میں کہیں نیچے ہی نیچے اتر رہا ہو۔ دور کہیں گنوں کے کھیتوں میں گیدڑ بول رہے تھے۔ اور نیلا ہٹ میں تارے آنکھیں جھپکاتے بیگانے سے لگ رہے تھے۔ ایک پیپل کے نیچے سے گزرتے ہوئے گھوڑی کا پاؤں پولی زمین میں دھنس گیا۔ تو میں نیچے اتر آیا۔ ادھ تھکے ہوئے مسافروں کی طرح ہم قدم قدم چل رہے تھے۔ جب میں ابھی گھنے جھنڈ سے ادھر ہی تھا تو چیختا ہوا ایک الو میرے سر کو چھو کر گزر گیا۔ اور گھوڑی نے ڈر کر ہنہنانا شروع کر دیا۔ پھر لگام چھڑا کر بے قابو ہو گئی۔ اچھلنے لگی اور دونوں اگلے پاؤں ہوا میں کر دئے۔ میں اسے آگے چلانا چاہتا تھا اور وہ پیچھے کی طرف جاتی تھی۔ جھنجھلاہٹ اور غصّے کے مارے میں نے اسے تیلی سے قینچی سے زور زور سے مارا اور پسینے پسینے ہو گیا۔ یہ آوازیں رات کی خاموشی میں بہت دور تک جا رہی تھیں۔ میرے سامنے وہ ایک میل دور کا نیاں تھا۔ تالاب کے کنارے سپنے لیتے ہوئے چپ گھروں میں سے ایک گھر میں چنداں تھی جو بند دروازے کے پیچھے آنکھیں بند کئے سوئی پتہ نہیں کون سپنوں میں مگن ہو گی۔ پتہ نہیں چنن کہاں ہو"؟

اس گھڑی مجھے لگا ہم دو بھائی کبھی ایک دوسرے کے قریب نہ آ سکے۔ ایک دوسرے کے یار نہ بن سکے۔ اپنی الگ الگ راہوں پر چلتے ہوئے ہم دو بیگانوں کی طرح ایک گھر میں ہوتے ہوئے بھی دور تھے۔ اس گھڑی مجھے کیا پتہ چنن کہاں تھا اور اسے کیا پتہ میں کہاں تھا۔ ہم دونوں کے

کے درمیان ماں تھی۔ جو چپ چاپ سارے دکھ سکھ سہتی تھی۔ آج جب روٹی کھا کر میں گھر سے باہر نکلنے لگا تھا تو ماں پوچھنے لگی "کب تک لوٹو گے!"

میں نے کہا تھا۔" جانے آؤں بھی کہ نہیں"۔ اوسماں نے چرخے کی ہتھی پکڑے پکڑے میری طرف دیکھ کر کہا۔" تجھے ماں کے دل کا حال کیا معلوم ہے۔ میں تو تیرے اور چیتن کے لئے جی رہی ہوں۔ اور تم دونوں میری پرواہی نہیں کرتے۔ اب کچھ دینے کے قابل ہوئے ہو تو اپنی اپنی راہوں پر جدھر منہ اٹھتا ہے چلے جاتے ہو۔

میں نے جیسے لڑنے کے لئے تیار ہی بیٹھا ہوں کہا تھا "میرا ہی تو تجھے پتہ نہیں لگتا"۔ اسے تو تو روز روز خود کانیاں بھیجتی ہے۔"

ماں نے کہا۔۔۔" کاکا! تیری تو مت ماری گئی ہے بھلا میں کیوں اسے روز روز کانیاں بھیجوں گی۔ تیری سسرال کا گھر ہے تو خیر سکھ کی خبر لائے نہ لائے!"

میں بنا جواب دئے چلا آیا تھا۔

جب گھوڑی کو ذرا تسلی ہوئی ہے۔ اور میں تھکا ہوا اس کی باگ پکڑ کر پھر چلا ہوں تو چاند کا ایک کنارہ ڈوبنا باقی تھا۔ چاندنی بڑی پھیکی اور بجھتے دئے کی طرح آخری سانس لے رہی تھی۔ کونجوں کی ڈاریں پر مارتی چپ چاپ اتری جاتی تھیں۔ پاس کے کھیتوں میں بٹیر زور سے اور کبھی ایک ایک بول رہے تھے۔ اور تب میں نے جنداں کو دیکھا وہ چادر کی بکل مارے اسی راہ سے جس پر میں جا رہا تھا گزری، اور کانیاں کی طرف چلی گئی۔

تمہیں پکا پتہ ہے وہ جنداں تھی! کرتار سنگھ نے پھر پوچھا۔ ٹھیک سے کہو وہ کس طرح جنداں ہو سکتی تھی۔ تم اس کی چال پہچانتے تھے۔ وہ کوئی اور لڑکی نہیں ہو سکتی تھی۔ بتاؤ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ وہی ہو سکتی تھی۔ تم نے اس کی شکل دیکھی تھی؟

نہیں۔ میں نے کانپ کر کہا۔ میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ پر وہ جنداں کے علاوہ اور کون ہو سکتی تھی بھلا۔

کیوں، تمہیں اس بات پر کیسے اعتبار تھا۔ کرتار سنگھ نے میرا گریبان پکڑ کر کہا "کیا تم نے اس کا پیچھا کیا تھا؟"

نہیں۔ میں نے اس کا پیچھا نہیں کیا تھا۔ پر میں آنگے ہی آگے سیدھی راہ سے کانیاں کی طرف جانے والی بڑی سڑک کی طرف مڑا تو میں نے جیتن کو دیکھا۔ ڈوبتی روشنی میں اس کا انگ انگ مجھے خوشی سے چبھتا لگا۔

بس! کرتار سنگھ نے زور سے کہا۔

اور کیا؟ یہ بات کافی نہ تھی۔ میں نے پگڑی کو موڑ کر اپنے منہ کے گرد لپیٹ لیا۔ گھوڑی کو ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ اور آپ اوٹ میں ہو کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ جب اس نے وہ درخت پار کر لیا۔ جس کے پیچھے میں چھپا تھا تو میں نکل کر لپکتا ہوا دبے قدموں چلنے لگا۔ وہ اپنے گاؤں جا رہا تھا۔ میں نے جی میں کہا۔ اب تمہیں کبھی گاؤں دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ وہ گلیاں سدا تمہاری راہ دیکھیں گی۔ اور ماں بھی اور جنداں بھی اور پوری دنیا تمہاری راہ دیکھے گی۔ اور تم اب جا نہ سکو گے۔ پہلے میں نے سوچا اسے پکاروں پھر وہ

پکار میرے سینے ہی میں رہ گئی وقت کم تھا۔ میں نے پیچھے سے چیتن پر اپنی چھری کا بے وار کیا۔ اس نے گھوم کر میری طرف دیکھا۔ باہنہ کو زور سے ہلاتے میں میری پگڑی کان پر سے جہاں میں نے اسے ٹکایا تھا اتر گئی تھی۔ اور پھر وہ گر گیا۔ میں زور زور سے اپنی چھری کو ہلاتا اور گھڑی گھڑی اس کو کاٹتا تھا۔ جیسے چارہ کاٹ رہا ہوں۔ اور پھر میں اسے چھوڑ کر اپنے پیچھے سارے نشان مٹا کر گھر آگیا۔

ماں بیس سال سے چیتن کی راہ دیکھ رہی ہے۔ جنداں بھی اور تم بھی۔ پر تمہیں کیا بتاؤں، تمہیں کیسے کہوں کرتار سنگھ کہ جب چیتن نے مڑ کر میری طرف دیکھا تھا تو اس کی نظر پھیکی ڈوبتی چاندنی میں کیسی تھی۔ اس کی چبھن آج بھی یہاں ہوتی ہے کرتار سنگھ۔ دل کے ایک کونے میں وہ ڈنک کی طرح سدا ہلتا اور چبھتا رہتا ہے۔

ہماری چند نئی مطبوعات

نیا عہد نامہ

ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی

قیمت : ساڑھے چار روپے

خلیل الرحمٰن اعظمی کا شمار اردو کے ممتاز شعراء میں کیا جاتا ہے۔ "نیا عہد نامہ" میں ان کا فکر انگیز اور تازہ کلام شامل ہے۔ نئے عہد کی زندگی کو سمجھنے اور برتنے کے لئے "نیا عہد نامہ" کا مطالعہ لازمی ہے۔

اسم اعظم

شہریار۔ قیمت ساڑھے تین روپے

نئی نسل کے شعراء میں شہریار کی شاعری کی آواز سب سے الگ اور منفرد ہے۔ اسم اعظم ان کی نظمیں اور غزلوں کا مجموعہ ہے جسے ڈاکٹر ذاکر حسین پروفیسر آل احمد سرور، فراق گورکھپوری، احتشام حسین، اختر الایمان، ڈاکٹر گیان چند ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی وغیرہ نے بہت سراہا ہے۔

اردو تنقید کے معمار

مرتبہ ایم حبیب خاں۔ قیمت :- چار روپے

اردو کے اہم نقادوں کے فن اور کارناموں پر منفرد اور مکمل مضامین کا مجموعہ۔ ابتدا میں اردو تنقید کی تاریخ اور تنقید کی تعریف اور آخر میں اردو تنقید کے مسائل پر سیر حاصل تبصرہ جن نقادوں پر اس کتاب میں مضامین شامل ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ حالی، شبلی، آزاد، عبدالحق، فراق گورکھپوری، نیاز فتح پوری، پروفیسر آل احمد سرور، کلیم الدین احمد، مجنوں گورکھپوری، احتشام حسین۔ اختر انصاری، پیش لفظ اختر انصاری صاحب